بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ

مبارکپور

زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ | جون ۲۰۱۷ء | جلد نمبر ۴۱ شمارہ ۶

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے

سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے	محمد ادریس بستوی	۳

تحقیقات

علمی تحقیق	امام ذہبی کی کتاب "میزان الاعتدال" میں ایک خیانت (آخری قسط)	مولانا نثار احمد خان مصباحی	۵

فقہیات

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۹

نظریات

فکر امروز	۲۳؍ برسوں کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ کا دیدار	ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر مصباحی	۱۱

اسلامیات

طرزِ عمل	اسلام میں احترامِ انسانیت	محسن رضا ضیائی	۱۴

معمولات

عالمِ اسلام	طلاق کیوں؟	مفتی محمد علی قاضی مصباحی	۱۷

شخصیات

انوارِ حیات	نیپال میں حضرت مخدوم شعیب فردوسی کا فیضان	مفتی محمد رضا قادری مصباحی	۲۱
نقوش	مولانا محمد رضا خان، حیات و خدمات	محمد عرفان حفیظ عطاری	۲۸

سیاسیات

آئینۂ وطن	نکسلیوں کی تحریک دہشت گردی کیوں نہیں؟	صابر رضا رہبر مصباحی	۳۲

بزمِ دانش

فکر و نظر	رمضان المبارک اور ہمارے اعمال	محمد عرفان قادری/ڈاکٹر اقبال احمد	۳۴

ادبیات

نقد و نظر	حیاتِ طالب	مبصر: مولانا محمد ساجد رضا مصباحی	۴۰
خیابانِ حرم	منظومات	ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر مصباحی/الفت نظامی	۴۲

وفیات

سفرِ آخرت	مولانا عبد العزیز خاں قادری کا وصال/قاری مجیب اللہ قادری سڑک حادثہ میں جاں بحق	۴۳

مکتوبات

صدائے بازگشت	محمد عباس الازہری/محمد رفیق مصباحی	۴۸

سرگرمیاں

رودادِ چمن	دفتر الجامعۃ الاشرفیہ بھیونڈی میں حافظ ملت کانفرنس	۵۲
خیر و خبر	مولانا مبارک حسین مصباحی کو مبارکباد/کولکاتا میں مسلم مسائل پر سیمینار/مغربی بنگال میں تعمیر ملت کانفرنس/مبارک پور میں دعوتِ اسلامی کا اجتماع/ادارہ شرعیہ، پٹنہ، میں عرس امام اعظم/کچھوچھہ شریف میں جشن عید میلاد النبی	۵۳

اداریہ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے

محمد ادریس مصباحی بستوی

آج پوری دنیا میں مسلمانوں کے تعلق سے جو حالات ہیں، ماضی کی پوری تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ جس ملک اور جس خطۂ زمین پر نگاہ ڈالیے قوم مسلم پر عرصۂ حیات تنگ نظر آتا ہے۔ جہاں اور جس ملک میں کلمہ پڑھنے والوں کی حکمرانی ہے وہاں مسلمان اور بھی تباہ حال نظر آتا ہے۔کس کس ملک کا تذکرہ کیا جائے اور کس کس حکمراں کی غلط کاریوں کی نشاندہی کی جائے پورا عالم ہی عالمِ پر آشوب ہے۔ ساری دنیا کا مسلمان بے چارگی اور کسمپرسی کی تصویر بنا نظر آتا ہے۔

اس وبائی بیماری کا علاج اسلامی نظریۂ حیات سے بہت آسان اور عملی نقطۂ نگاہ سے دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آتا ہے، کیوں کہ مسلمان ملکوں میں کوئی حکمراں اپنی انانیت، فرعونیت اور اپنی عیش وطرب کی شیطانی محفل کو ترک کر کے اسلامی دستور حیات پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہے۔

سعودی عرب کا سلطان، شام کا حکمراں بشار الاسد، یمن کا حاکم وقت اور دیگر درجنوں اسلامی نام کے غیر اسلامی حکمراں جو اپنی خواہشات کے اسیر اور شیطانی فریب کا شکار ہیں وہ کسی حال میں خدا اور رسول کی حکرانی اور اسلامی دستور کی پابندی کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ ساری حکومتیں غیر اسلامی طریقہ سے وجود میں آئی ہیں ان میں سے کوئی بھی حکمراں اسلام کے شورائی نظام کے انداز میں منتخب نہیں ہوا ہے، اسی وجہ سے یہ حکمراں اور ان کے زیر اثر ان کی ساری رعایا تباہ و برباد ہے اور تباہ و برباد ہوتی رہے گی۔

جس بڑی تعداد میں شام، عراق، ترکی، یمن اور دوسرے ملکوں سے مسلمانوں نے اپنی عورتوں، اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں اور بوڑھے ماں باپ کے ساتھ ترکِ وطن کیا ہے، ان کی تعداد کئی کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے اور ان میں سے لاکھوں بچے، بوڑھے سمندر کا لقمہ بن گئے، کشتیاں ڈوبیں، لاشوں کا اٹھانے والا بھی کوئی نہیں ملا، ایسی تباہی کا منظر آسمان کی نگاہوں نے کبھی نہ دیکھا ہوگا، پھر یہ خانماں برباد لوگ جس ملک میں پہنچے وہاں انہیں قیدیوں کی طرح رکھا گیا، مجرم کی طرح ان کی نگرانی کی گئی، حد یہ ہے کہ جس طرح چوپایوں کے سامنے چارہ ڈالا جاتا ہے اسی طرح ان کو کٹیلے تار کے حصار میں رکھ کر کھانا پھینکا گیا، اس بربادی کی تفصیل کے لیے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔

مسلمانوں کی دولت مندی، قوت، طاقت اور برتری کا سارا بھرم مشرق وسطیٰ میں ٹوٹ چکا ہے اور وہاں کے حکمراں روس اور امریکہ کو دعوت دے کر اپنے ملک کے باشندوں پر بمباری کروا رہے ہیں، اب اسے ہم دنیا کی جاہل ترین قوم نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟

مسلمان ملکوں کی تباہی و بربادی کا زبردست اثر ہندوستان پر بھی پڑا ہے، یہاں کا مسلمان اپنے عرب بھائیوں کے دکھ پر خون کے آنسو رو رہا تھا کہ یہاں کی فرقہ پرست قوتوں نے مسلمانوں کے دینی اور شرعی مسائل پر شب خوں مارنے کا پروگرام بنالیا جس کے لیے انہیں اسرائیل جیسے مسلم دشمن ملک سے برابر مدد اور مشورہ بھی ملتا رہتا ہے، اس سلسلہ میں اسلام کے شرعی قانون طلاق کا انتخاب کر کے پروپیگنڈہ کی بھرپور مہم چلائی گئی اور اس طرح کا ماحول بنالیا گیا گویا ہندستان میں مطلقہ عورتوں کے مسئلہ کے سوا اور کوئی دوسرا مسئلہ حل کرنے کو باقی ہی نہیں رہ گیا ہے۔ میڈیا نے غیر معروف، نامعلوم عورتوں کے انٹرویو بنام مسلم خواتین خوب شائع کیے، یہاں تک کہ طلاق کا مسئلہ ہندستان کی سب سے بڑی کچہری سپریم کورٹ تک پہنچ گیا اس لیے اس پر پوری تفصیل بیان کرنا ضروری ہے۔

طلاق عربی زبان کا لفظ ہے جس کا اردو ترجمہ ”آزادی“ ہے یعنی مرد جب عورت کو طلاق دے دے گا تو وہ عورت مرد کی حکومت سے آزاد ہو جائے گی اور مرد بھی شادی کی وجہ سے عورت کے لیے جن چیزوں کا وہ پابند تھا مثلاً روٹی، کپڑا اور مکان وغیرہ سے وہ بھی آزاد ہو جائے گا۔ اس فعل کی پوری تفصیل فقہ اسلامی، حدیثِ رسول اور قرآن حکیم میں موجود ہے، جس پر قریب ڈیڑھ ہزار سال سے پوری دنیا میں عمل ہو رہا ہے۔

طلاق بھی انسانی ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت ہے۔ عام حالات میں طلاق دنیا ناپسندیدہ عمل ہے لیکن بسا اوقات طلاق دنیا ضروری بھی ہوجاتا ہے۔ میں دنیا کے تمام غیرت مندوں سے پوچھتا ہوں اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو ناگفتہ بہ حالت میں دیکھ لے یا دوسرے کے بازوؤں میں کسی کی عورت مچلتی ہوئی نظر آئے تو اس کی غیرت کیا اسے طلاق دینے پر برانگیختہ نہیں کرے گی؟ اس کے علاوہ بہت سارے مواقع اور موڑ ایسے آتے ہیں جب شوہر طلاق دینے پر مجبور ہوجاتا ہے، اور اگر طلاق دینے کی اجازت ان خراب حالات میں نہ دی جائے تو شوہر یا بیوی کسی ایک کی موت یقینی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں ہی موت کے گھاٹ اتر جائیں، جیساکہ آئے دن اخباروں میں خبر چھپتی رہتی ہے۔ اس کو اور وضاحت سے سمجھنے کی لیے ہندستان کی پہلی پارلیمنٹ جب چنی گئی تو اس کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو منتخب ہوئے۔ پنڈت جی ہندستان کے پہلے وزیر اعظم، عظیم دانشور، تحریکِ غیر جانب دار کے عالمی رہنما، دنیا کے حالات پر ان کی نظر اور تاریخ عالم پر ان کی نگاہ، انہوں نے پہلی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندستانیوں کے دستور زندگی میں طلاق کا کوئی قانون نہیں ہے، لیکن اب دنیا کے حالات بہت بدل چکے ہیں ہندستان کی آبادی بہت بڑی ہے ہندو مذہب کے ماننے والے لاکھوں جوڑوں (میاں بیوی) میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے شوہر اور بیوی میں علاحدگی ہونا ضروری ہے اس لیے اسلام سے قانون طلاق مانگ کر ہندوؤں کے لیے ہندو کوڈ بل پارلیمنٹ سے پاس کرایا جاتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت ہندو مذہب کے ماننے والے میاں اور بیوی ایک دوسرے سے اس قانون کی روشنی میں الگ ہوجائیں۔ غور طلب بات ہے کہ ۱۹۵۴ء کے پارلمینٹ کے اجلاس میں جس قانون طلاق کو ہندستان کے وزیر اعظم نے مسلمانوں سے مانگ کر ہندوؤں کے لیے نافذ کیا تھا آج اسی قانون طلاق کی کچھ خود ساختہ دانشور مذمت کررہے ہیں، اس سے بڑھ کر حیرت کی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ اب طلاق کا قانون دنیا کی ہر قوم میں رائج ہے پھر طلاق کے تعلق سے صرف مسلمانوں کو کیوں موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے؟ سب سے زیادہ دل چسپ بات تو یہ ہے کہ فیصد کے اعتبار سے دنیا کی ہر قوم میں مسلمانوں سے زیادہ طلاق واقع ہوتی ہے۔ سروے کی رپورٹ کے مطابق امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں ہر چھٹویں عورت طلاق یافتہ ہے، یعنی سولہ فیصد سے زیادہ طلاق امریکہ میں دی گئی۔ جب کہ ہندستانی مسلماوں اس کا فیصد ½ یعنی سو میں آدھا اور دو سو میں ایک ہے۔ میں پورے دعوے سے کہتا ہوں کہ دنیا کے تمام مذاہب کے ماننے والوں کے مقابل مسلمانوں میں طلاق کی تعداد کم نہیں بلکہ بہت ہی کم ہے، یہ تو میڈیا کے پروپیگنڈہ کا کمال ہے کہ مسلمانوں کا ایک طلاق دینے والے قوم کی حیثیت سے عالمی پیمانہ پر متعارف کرایا جارہا ہے اور دوسری قوموں کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ طلاق کی کئی قسمیں ہیں اور طلاق ہی جیسی ایک چیز لِعَان فی بھی ہے، سب کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ اس میں سب سے غلیظ قسم طلاق مغلظہ ہے اور اسی طلاق مغلظہ کے تعلق سے مسلسل کئی روز تک سپریم کورٹ میں بحث ہوچکی ہے اور فیصلہ کے لیے فائل ریزرو کرلی گئی ہے، اصولی طور پر اس مسئلہ پر بحث کے لیے ملک کے جتنے اہم دارالافتاء ہیں ان کے صدر کو بلایا جانا چاہئے تھا، کیوں کہ وہی اس قانون کے ماہر ہیں اور وہی اس کے حسن و قبح پر بھرپور روشنی ڈال سکتے ہیں۔ مگر موجودہ کورٹ سے کسی دارالافتا کو کوئی نوٹس جاری نہیں ہوا، ان حالات میں کورٹ سے کیسا فیصلہ ہوگا اسے آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

مجھے نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑرہا ہے کہ مسئلہ طلاق ثلاثہ پر بحث کے وقت ہر جماعت کا الگ وکیل کھڑا ہوا اور ہر ایک نے اپنی الگ ڈفلی اور الگ راگ الاپا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سارے مفتیانِ کرام کا ایک شورائی اجلاس ملک کے کسی بڑے شہر میں بلا لیا جاتا اور مفتیان کرام اپنی متفقہ راے لکھ کر اپنے ذریعہ سپریم کورٹ کے حوالہ کردیتے، لیکن نہ تو کوئی ایسا اجلاس مفتی صاحبان کا ہوا اور نہ ہی مفتیان کرام سپریم کورٹ میں بلائے گئے اور نہ ہی از خود گئے۔ پھر ہم ان حالات میں اچھے نتیجہ کی امید کیسے کرسکتے ہیں اور اگر باہم کوئی متفقہ اور متحدہ لائحۂ عمل نہیں طے کر پاتے تو کم از کم سپریم کورٹ میں یہی لکھ کر دے دیتے کہ یہ دینی فتویٰ کا معاملہ ہے اسے ہم مفتیان اپنے دارالافتا سے حل کردیں گے۔ ملکوں کے بیچ میں جو اختلاف سامنے ہے اس کے بارے میں مفتی صاحبان سپریم کورٹ کو یہ لکھ کر دے سکتے تھے کہ ہر ملک کا مسلمان اپنے ملک کے مفتی کے احکام پر ایمان داری سے عمل کرے گا۔ اب بھی وقت ہے اگر کوئی تنظیم مفتی صاحبان سے یہ کام کروادے تو یہ اس کا عظیم کارنامہ ہوگا۔

امام ذہبی کی کتاب "میزان الاعتدال" میں ایک خیانت

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف الحاقی ہے!!!

نثار احمد خان مصباحی

(۱۴) چوتھا مخطوطہ: یہ مخطوطہ "لا عطر بعد العروس" کا مصداق ہے، یعنی یہ میزان الاعتدال کے مصنف امام ذہبی کا اصل نسخہ ہے جس کا نصفِ آخر الحمدللہ آج تک محفوظ ہے، اس کے بعد اب کسی اور مخطوطے کی حاجت نہیں کیوں کہ یہ اصل کتاب کا اصل نسخہ ہے جو خود حافظ ذہبی کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے۔

علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغُدّہ لکھتے ہیں: "قد سخت لِي في أوائل رمضان المبارك من سنة ١٣٨٢ زيارة المغرب فرأيت في مدينة الرباط في الخزانة العامة نصف نسخة المؤلف... ميزان الاعتدال في مجلد واحد رقمها (١٢٩ق)، ناقصة يبتدئ القسم الموجود منها من أوائل ترجمة عثمان بن مقيم البرّي، وهو يوافق أواخر الصفحة ١٩٠ من الجزء الثانى المطبوع بمصر سنة ١٣٢٥ و ينتهي بآخر الكتاب".اھ[۱]

"اوائل رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ میں مجھے ملک مغرب (مراکش) حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تو شہر "رباط" کی پبلک لائبریری (الخزانۃ العامۃ) میں خود مصنف (ذہبی) کا میزان الاعتدال کا آدھا نسخہ میں نے ایک جلد میں دیکھا جس کا نمبر (۱۲۹-ق) ہے۔ یہ نسخہ ادھورا ہے۔ یہ موجود حصہ عثمان بن مقیم البری کے تعارف کے اوائل سے شروع ہے جو ۱۳۲۵ھ میں مصر سے شائع جلد دوم، ص: ۱۹۰ کے آخری حصے کے موافق ہے۔ (یعنی یہ مخطوطہ جہاں سے شروع ہے وہ جگہ ۱۳۲۵ھ کے مطبوعہ مصری نسخے میں جلد دوم ص: ۱۹۰ پر ہے۔) اور یہ مخطوطہ کتاب کے خاتمے کے ساتھ ختم ہے۔"

واضح رہے کہ شیخ عبدالفتاح نے یہاں جس مصری نسخے کا ذکر کیا ہے وہ مطبعۃ السعادۃ، مصر سے ۱۳۲۵ھ میں تین جلدوں میں شائع ہوا تھا۔ مطبعۃ السعادۃ والوں نے شاید ضخامت کے پیشِ نظر اس کی اشاعت تین جلدوں میں کی تھی ورنہ امام ذہبی نے میزان الاعتدال صرف دو جلدوں میں لکھی تھی اور ۱۳۰۱ھ میں لکھنؤ سے یہ دو جلدوں میں شائع بھی ہوئی تھی۔ امام ذہبی کا نسخہ دو جلدوں میں تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ رباط میں موجود قلمی نسخے کے آخری صفحے پر حافظ ذہبی کے سامنے "میزان" کی نقل وکتابت اور قراءت کرنے والے محدثین کا ذکر ہے، جن علما و محدثین نے حافظ ذہبی کے سامنے میزان الاعتدال کی نقل حاصل کی یا پڑھ کر سنایا ان کے نام، کتابت وقراءت اور سال کا تذکرہ خود انھیں کے لفظوں میں آخری ورق پر تاریخ کی ترتیب سے درج ہے۔ انھیں محدثین میں سے ایک حافظ نجم الدین سعید بن عبداللہ دہلوی بغدادی دمشقی (۷۱۲ھ-۷۴۹ھ) بھی ہیں جو حافظ ذہبی کے ایک نامور شاگرد ہیں۔ وہ اس آخری ورق پر لکھتے ہیں:

"قرأت جميع هذا الميزان وهو سِفران على جامعه سيدنا شيخ الاسلام الذهبي القاه الله تعالىٰ. الخ."[۲]

ان کے لفظ "سِفران" سے واضح ہے کہ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال دو جلدوں میں لکھی تھی۔

یہ ایک جملۂ معترضہ تھا جو اس لیے درمیان میں آگیا تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ رباط میں حافظ ذہبی کا جو اصل نسخہ ہے وہ میزان الاعتدال کی دوسری اور آخری جلد ہے۔ اگرچہ ہم یہ بات قطع ویقین سے نہیں کہہ سکتے کہ حافظ ذہبی نے عثمان بن مقسم البرّی ہی کے تعارف سے اِس دوسری جلد کی شروعات کی تھی۔ واللہ اعلم۔

رباط میں موجود یہی مخطوطہ میزان الاعتدال کے مصنف کا اصل نسخہ ہے، اسی سے ان کے تلامذہ اور دیگر محدثین نے "میزان" کی نقلیں حاصل کیں اور اسی سے اپنے اپنے نسخوں کی تصحیح کی اور اپنے شیخ کے سامنے پڑھا۔

ہم یہ بات اس لیے بھی کہہ رہے ہیں کیوں کہ اسی مخطوطے کے آخری ورق پر اس کی قراءت اور نقل و کتابت وغیرہ کی جو تفصیلات درج ہیں وہ ۷۲۹ھ اور ۷۴۷ھ کے درمیان کی ہیں اور مقالے کی ابتدا میں یہ بات گذر چکی ہے کہ حافظ ذہبی نے ۷۲۴ھ میں یہ کتاب لکھی، پھر ۴/ سال تک یعنی ۷۲۸ھ تک اس کی تصحیح کی اور حواشی کی صورت میں اضافے درج کیے اور اسی مخطوطے کے آخر میں ہے کہ ۷۲۹ھ سے اس کی نقل و کتابت اور قراءت ہوئی، اس سے یہ بات مزید وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتی ہے کہ یہی مخطوطہ حافظ ذہبی کا اصل نسخہ ہے۔ الحمد

للہ اس مخطوطے کی ایک PDF فائل ہمارے پاس بھی ہے۔

مخطوطات کی دنیا کا یہ عظیم الشان نسخہ "میزان الاعتدال" کے حرف عین میں عثمان بن مقسم البرّی کے تعارف کے اوائل سے شروع ہے اور کتاب کے خاتمے تک ہے، یعنی اس میں حرف نون بھی ہے اور باب الکنیٰ بھی ہے۔ "میزان" کے اِس سب سے زیادہ مستند و معتمد اور سب سے اہم مخطوطے میں بھی امام ابوحنیفہ کے تعارف کا کوئی نام ونشان نہیں، نہ ہی حرف نون میں "نعمان بن ثابت" نام سے کوئی تعارف ہے اور نہ ہی باب الکنیٰ میں آپ کی کنیت "ابوحنیفہ" کا کوئی تذکرہ ہے۔

اس سے ہمارا یہ یقین اپنی انتہائی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے کہ حافظ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں امام اعظم ابو حنیفہ کا کوئی تعارف لکھا ہی نہیں تھا اور مطبوعہ نسخوں میں یہ جو تعارف پایا جاتا ہے وہ کسی حاسد اور بدخواہ کے خیانت کار ہاتھوں کا کرشمہ ہے۔

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ لکھتے ہیں: "قد رجعت ایضا الی هذه النسخة العظيمة النادرة المثال في عالم المخطوطات فلَم اجد فيها ترجمة للإمام أبي حنيفة رضی الله تعالیٰ عنه . وهذا مما يقطع معه المرء بان الترجمة المذكورة في بعض نسخ الميزان ليست من قلم الذهبي، و إنما هي دخيلة على الكتاب بيد بعض الحالقين على الامام أبي حنيفة." اھ (۳)

"میں نے دنیاے مخطوطات کے اس بے مثال اور عظیم مخطوطے کی طرف بھی رجوع کیا تو اس میں (بھی) امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی تعارف نہیں پایا۔ اس سے انسان کو یہ یقینِ کامل ہو جاتا ہے کہ "میزان" کے کچھ نسخوں میں مذکور تعارف حافظ ذہبی کے قلم سے نہیں ہے بلکہ وہ امام ابو حنیفہ سے کینہ رکھنے والے کسی شخص کے ہاتھوں کتاب میں گھسا دیا گیا ہے۔"

یہاں پہنچنے کے بعد ہمارا نتیجہ، بحث دوپہر کے سورج کی طرح روشن ہو چکا جس پر ان شاء اللہ مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

مگر.... یہاں ایک سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ جب "میزان الاعتدال" کے صحیح اور معتمد قلمی نسخوں میں یہ تعارف موجود نہیں تو مطبوعہ اور چھپے ہوئے نسخوں میں عام طور سے یہ تعارف کیوں پایا جاتا ہے؟

اس سوال کے جواب تک پہنچنے کے لیے ہمیں "میزان الاعتدال" کی اشاعتی تاریخ کے ایک سرسری جائزے کی ضرورت پڑے گی۔

گذشتہ ڈیڑھ سو سالوں میں مختلف ممالک سے "میزان الاعتدال" کی متعدّد طباعتیں ہوئیں:

(۱)-۱۳۰۱ھ کے اواخر میں لکھنؤ کے مطبع انوار محمدی سے میزان الاعتدال دو جلدوں میں شائع ہوئی، الحمد للہ یہ نسخہ ہمیں تھوڑی سی محنت کے بعد حاصل ہو گیا۔

(۲)-۱۳۲۵ھ میں مصر کے مطبعۃ السعادۃ سے میزان الاعتدال تین جلدوں میں طبع ہوئی، بحمدہ تعالیٰ اس کی تیسری جلد ہمارے پاس ہے جو "حرف میم" سے شروع ہے۔

(۳)-۱۳۸۲ھ میں مطبع عیسیٰ البابی الحلبی، قاہرہ (مصر) سے میزان الاعتدال شائع ہوئی۔ تلاش کے باوجود یہ نسخہ ہمیں نہیں مل سکا۔

(۴)-دار المعرفہ، بیروت (لبنان) سے علی محمد البجاوی کی تحقیق کے ساتھ میزان الاعتدال چار جلدوں میں شائع ہوئی، اس پر سنِ طباعت درج نہیں، یہ نسخہ بھی ہمارے پاس ہے۔ (۴)

(۵)۱۴۲۰ھ میں دار الفکر، بیروت سے صدقی جمیل العطار کی تحقیق و تقدیم کے ساتھ "میزان الاعتدال" چار جلدوں میں اشاعت پذیر ہوئی۔ یہ نسخہ ہمارے پاس نہیں، مگر الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور) کی "امام احمد رضا لائبریری" میں ہم نے اس سے بکثرت استفادہ کیا۔

(۶)-"میزان" کی ایک اور اشاعت کا ہمیں علم ہوا، جو بیروت کے کسی مکتبے سے علی محمد معوض اور عادل احمد الموجود کی تحقیق کے ساتھ شاید آٹھ جلدوں میں طبع ہوئی۔ لیکن نہ تو مزید تفصیل ہمیں معلوم ہے اور نہ ہی یہ نسخہ ہماری دست رس میں ہے۔

میزان الاعتدال کے صحیح اور قابلِ اعتماد قلمی نسخوں میں امام ابوحنیفہ کا تعارف نہیں تھا مگر کسی مجہول قلمی نسخے میں وہی دو سطری تعارف موجود تھا۔ ۱۳۰۱ھ میں لکھنؤ سے جب میزان کی اشاعت ہو رہی تھی تو طباعت کا اہتمام کرنے والے نے جب یہ دیکھا کہ یہ تعارف ایک مخطوطے میں نہیں ہے مگر دوسرے میں ہے تو انھوں نے یہ تعارف اصل کتاب میں شامل نہیں کیا، بلکہ اسے حاشیے پر درج کیا، اور وہیں یہ نوٹ لکھ دیا:

"لما لم تكن هذه الترجمة في نسخة وكانت في اخرىٰ اوردتها على الحاشية." اھ (۵)

"جب یہ تعارف ایک مخطوطے میں نہیں تھا اور دوسرے میں تھا تو میں نے اسے حاشیے پر درج کر دیا۔"

نوٹ: میزان کے اس لکھنوی نسخے کی کتابت دو قلمی نسخوں کے پیشِ نظر ہوئی تھی، جیسا کہ اس کے "خاتمۃ الطبع" میں مذکور ہے۔ (۶)

اس طرح ایک مجہول مخطوطے سے امام ابوحنیفہ کا یہ تعارف مطبوعہ نسخے میں آ گیا۔ البتہ اس کا میزان الاعتدال سے ہونا مشتبہ تھا، اِس لیے شائع کنندہ نے اسے اصل کتاب میں نہیں بلکہ حاشیے میں رکھا۔

علامہ نیموی کہتے ہیں: "هذه الترجمة لم توجد في النسخ الصحيحة من الميزان. واما ما يوجد على هوامش النسخ المطبوعة نقلا عن بعض النسخ المكتوبة فإنما هو الحاق من بعض الناس، وقد اعتذر الكاتب و علّق عليه هذه العبارة:

ولما لم تكن هذه الترجمة في نسخة وكانت في اخرىٰ اوردتها على الحاشية -انتهىٰ كلامه" اه (۷)

"یہ تعارف میزان کے صحیح مخطوطوں میں نہیں ملا اور وہ جو کسی قلمی نسخے سے نقل کرکے مطبوعہ نسخوں کے حاشیے پر پایا جاتا ہے وہ کسی آدمی کا الحاق ہے۔ کاتب (شائع کنندہ) نے اس پر معذرت کی ہے اور اس پر یہ نوٹ لکھا ہے:

یہ تعارف جب ایک نسخے میں نہیں تھا اور دوسرے میں تھا تو میں نے اسے حاشیے پر رکھ دیا۔"

شیخ عبدالفتاح ابو غدّہ لکھتے ہیں:

"والطبعة الهندية من الميزان المطبوعة في مدينة لكنؤ سنة ۱۳۰۱ بالمطبع المعروف بـ انوا محمدي، لم تذكر فيها ترجمة للإمام أبي حنيفة في أصل الكتاب — وإنما ذكر على الحاشية كلمات في سطرين، قال مثبتها:

لما لم تكن هذه الترجمة في نسخة وكانت في اخرىٰ اوردتها على الحاشية." انتهى (۸)

"میزان کی ہندوستانی اشاعت جو ۱۳۰۱ھ میں مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ہوئی، اس میں امام ابو حنیفہ کا کوئی تعارف اصل کتاب میں نہیں ہے۔ البتہ حاشیے پر دو سطر میں کچھ کلمات مذکور ہیں، جنھیں درج کرنے والے نے یہ کہا ہے:

جب یہ ایک مخطوطے میں نہیں تھے اور دوسرے میں تھے تو میں نے انھیں حاشیے پر درج کیا۔"

پھر جب ۱۳۲۵ھ میں میزان الاعتدال مصر کے مطبعۃ السعادۃ سے طبع ہوئی تو ناشر نے وہی دو سطرے کلمات (تعارف) حاشیے پر نہ رکھ کر اصل کتاب میں داخل کر دیے اور اس پر کوئی تنبیہ بھی نہیں کی، جس سے ناواقف ناظر نے یہی سمجھا کہ یہ یقینی طور پر اصل کتاب کا حصہ ہے جب کہ ایسا نہیں ہے۔

علامہ ابو الفتاح ابو غدّہ لکھتے ہیں: "فلما طبع الكتاب بمصر سنة ۱۳۲۵، طبعت تلك الكلمات التي على الحاشية في صلب الكتاب دون تنبيه." اه (۹)

"پھر جب کتاب (میزان الاعتدال) ۱۳۲۵ھ میں مصر میں طبع ہوئی تو وہ کلمات جو حاشیے میں تھے وہ بغیر کسی تنبیہ کے اصل کتاب میں چھاپ دیے گئے۔"

اس طرح امام ابو حنیفہ کا مذکورہ بالا دو سطری تعارف میزان کے مطبوعہ نسخوں میں اصل کتاب میں شامل کر دیا گیا، اور پھر بعد میں کئی جگہوں سے میزان الاعتدال اسی طرح شائع ہوئی جس کے نتیجے میں ہمیں میزان کے مطبوعہ نسخوں میں یہ تعارف نظر آتا ہے۔

البتہ علامہ عبد الفتاح ابو غدّہ کے بیان کے مطابق ۱۳۸۲ھ میں قاہرہ (مصر) کے مطبع عیسیٰ البابي الحلبي سے جو اشاعت ہوئی تھی وہ حافظ سبط ابن العجمی کے مخطوطے سے ہوئی تھی (۱۰) اور سبط ابن العجمی کے مخطوطے میں یہ تعارف نہیں ہے، جیسا کہ گذرا، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مطبع عیسیٰ البابي الحلبي کی اس اشاعت میں امام ابو حنیفہ کا یہ تعارف نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم۔

اس کے علاوہ دار المعرفۃ، بیروت نے علی محمد البجاوی کی تحقیق کے ساتھ جو میزان الاعتدال شائع کی ہے اس میں اگرچہ اس تعارف کو کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے، مگر "محققین" نے حاشیے میں یہ نوٹ لکھا ہے:

"هذه الترجمة ليست في س، ل" اه (۱۱)

"یہ تعارف "س" اور "ل" میں نہیں ہے۔"

"س" سے سبط ابن العجمی کے مخطوطے کی طرف اور "ل" سے "لسان المیزان" کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ محقق نے اپنے مقدمے کے صفحہ "ط" اور صفحہ "ی" پر اس کی وضاحت کی ہے۔ (۱۲)

یہاں دار الفکر بیروت سے شائع ہونے والے تحقیق شدہ نسخے کی ایک بو العجبی پر تنبیہ ضروری ہے تاکہ عام قارئین بھی اس طرف متوجہ ہو سکیں کہ عالم عرب سے "تحقیق" کا لیبل لگا کر شائع کی جانے والی کچھ کتابیں "تحقیق" کے کس "اعلیٰ معیار" پر فائز ہوتی ہیں اور ان میں کیسے کیسے "نمونے" ہوتے ہیں۔!!!

۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء میں دار الفکر (بیروت) سے صدقی جمیل العطار کی تحقیق و تقدیم کے ساتھ میزان الاعتدال شائع ہوئی۔ میری نظر میں اس اشاعت کی دو اہم خصوصیات ہیں:

(۱)-اس اشاعت میں میزان کے اصل مخطوطے یعنی الخزانۃ العامہ، رباط میں محفوظ حافظ ذہبی کے اصل نسخے اور میزان و ذیل المیزان للعراقی کے دیگر مطبوعہ نسخوں پر اعتماد کیا گیا ہے، جیسا کہ مخطوطے کی تصویر اور محقق کے بیان سے ظاہر ہے۔

(۲)-اس میں "میزان الاعتدال" اور "ذیل میزان الاعتدال"

دونوں کو یکجا کر دیا گیا ہے، یعنی حافظ عراقی کی "ذیل المیزان" کے "تراجم" بھی اس میزان میں حروفِ تہجی کی ترتیب سے داخل کر دیے گئے ہیں۔ دونوں میں فرق کے لیے "ذیل کے تراجم" سے پہلے "[ذ]" یعنی بریکٹ کے اندر "ذ" لکھ دی گئی ہے جس سے "ذیل" کی طرف اشارہ ہے۔

صدقہ جمیل العطار لکھتے ہیں: وقد اعتمدنا في اخراج هذه الطبعة للميزان و ذيله علىٰ ما يلي:

١ -مخطوطة الخزانة العامة بالرباط.

٢ -علىٰ ما سبق طبعه من الميزان والذيل.

وقد امتازت هذه الطبعة عن سابقتها بما يلي:

انّها تجمع بين ميزان الاعتدال الأصل و بين ذيل الميزان الاعتدال المتمم للأصل في كتاب واحد. وذٰلك بادخال تراجم الذيل على الميزان ادخالا مناسبا مع مراعاة التسلسل الأبجدى و تمييزا بين تراجم الأصل وتراجم الذيل، فقد اضيف بجانب رقم الترجمة المسلسل لتراجم الذيل الحرف "ذال" بين معكوفتين هكذا ......[ذ]......" اھ[١٣] (ترجمے کی ضرورت نہیں)

میزان الاعتدال کی اس اشاعت میں نہ صرف یہ کہ امام ابو حنیفہ کا مذکورہ تعارف کتاب میں شامل کیا گیا ہے، بلکہ طرفہ تماشا یہ کہ ذرہ برابر کوئی ایسا اشارہ یا تنبیہ بھی نہیں کی گئی ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ "محقق" نے جس مخطوطے پر اعتماد کیا ہے اس میں یہ تعارف نہیں ہے۔!!! گذشتہ صفحات میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ الخزانۃ العامہ، رباط میں محفوظ اصل مخطوطہ اس الحاقی تعارف سے خالی ہے۔ ان شاء اللہ اس مخطوطے کے متعلقہ صفحے کی تصویر ہم ابھی مقالے کے آخر میں پیش کریں گے۔

حافظ ذہبی کے اصل مخطوطے میں یہ تعارف نہ ہونے کے باوجود محض کسی مطبوعہ نسخے پر اعتماد کر کے یہ تعارف میزان الاعتدال میں شامل کرنا یا تو اس کے محقق کی سخت ترین غفلت ہے یا سخت ناروا جسارت اور یہ دونوں چیزیں تحقیق کے دامن پر بدنما داغ ہیں۔

ہم اس مقالے میں جو باتیں کہنا چاہ رہے تھے الحمد للہ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ اب اہلِ علم کی خدمت میں اصلاح کی التماس ہے۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ امام ذہبی کی اس کتاب میں یہ کوئی پہلی اور آخری تبدیلی نہیں ہے۔ شیخ عبد الفتاح ابو غدّہ کے مطابق اس کتاب میں ذہبی کے سوا دوسروں کا قلم متعدّد جگہوں پر چلا ہے۔[١٤] یعنی تحریف کے پیشے میں چابک دستی رکھنے والوں نے میزان الاعتدال میں بھی اپنا "ہنر" کئی جگہوں پر دکھایا ہے۔ اس لیے اب دو چیزوں کی ضرورت ہے:

(١)-اما ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرضی اور الحاقی تعارف "میزان الاعتدال" سے خارج کیا جائے، اور امام ذہبی کی طرف اس کی نسبت کی کھلی تردید کی جائے۔

(٢)-مستقبل میں میزان الاعتدال کی طباعت و اشاعت ان قابلِ اعتماد قلمی نسخوں کے پیشِ نظر کی جائے جن کا تذکرہ علامہ عبد الفتاح ابو غدہ نے کیا ہے اور میزان الاعتدال کی تحقیق میں اس کے مطبوعہ نسخوں پر اعتماد نہ کیا جائے۔ والله الموفق لكل خير.

وصلى الله تعالىٰ علىٰ حبيبه الأكرم و علىٰ اٰله و صحبه و بارك وسلم؛

اللهم تقبل منى هذا وارحم علىٰ جميع علماء السنة و علينا بهم و علىٰ جميع المسلمين يا ارحم الراحمين.

---

(١)۔تعليقات علىٰ الرفع والتكميل، ص:١٢٣.
نوٹ: شیخ محمد بن عبد اللہ آل رشید (شاگرد شیخ ابو غدہ) کے مطابق ١٣٨٢ھ میں شیخ عبد الفتاح نے عراق اور ہند و پاک کا بھی ایک طویل سفر کیا تھا، ان دونوں اسفار کی تفصیل کے لیے دیکھیں: امداد الفتاح باسانيد و مرويات الشيخ عبد الفتاح، ص:١٥٥-١٥٩، ناشر مكتبة الامام الشافعى، الرياض، طبع اول ١٤١٩ھ/ ١٩٩٩ء

(٢)۔تعليقات على الرفع والتكميل، ص:١٢٣.

(٣)۔تعليقات علىٰ الرفع والتكميل، ص:١٢٥.

(٤)۔مطبع انوار محمدی، مطبع السعادۃ اور دار المعرفہ کے یہ تینوں نسخے ہمارے پاس PDF فائل کی صورت میں موجود ہیں۔ نثار احمد

(٥)۔ميزان الاعتدال، حاشيه (هامش)، جلد دوم، ص:٥٣٤، ناشر: مطبع انوار محمدى، لكهنؤ، هند، سن اشاعت:١٣٠١ھ

(٦)۔ميزان الاعتدال، خاتمة الطبع، جلد دوم، ص:٦٨٨. مطبوعه: مطبع انوار محمدى، لكهنؤ، هند.

(٧)۔التعليق الحسن علىٰ آثار السنن للنيموى، ص:١٧٩.

(٨)۔تعليقات على الرفع والتكميل، ص:١٢٢.

(٩)۔تعليقات على الرفع والتكميل، ص:١٢٢.

(١٠)۔تعليقات على الرفع والتكميل، ص:١٢٦.

(١١)۔ميزان الاعتدال، جلد چهارم، ص:٢٦٥. تحقيق: على محمد البجاوى، ناشر: دار المعرفة، بيروت، سن ندارد.

(١٢)۔ميزان الاعتدال، جلد اول، مقدمة المحقق، مطبوعه: دار المعرفة، بيروت.

(١٣)۔ميزان الاعتدال، جلد اول، ص: ٥. مقدمة الناشر، مطبوعه: دار الفكر، بيروت، طبع اول ١٤٢٠ھ/ ١٩٩٩ء، تحقيق و تقديم: صدقى جميل العطار.

(١٤)۔تعليقات على الرفع والتكميل، ص:١٢٥.

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

وراثت میں کیا دیا جا سکتا ہے؟

حضرت مسئلہ یوں ہے کہ ایک شخص نے جس کی آنکھوں کی روشنی بھی چلی گئی ہے اور پیشاب کے لیے پائپ لگی ہوئی ہے، اس کا ایک لڑکا ہے، جو باپ کو اپنے پاس رکھنے کے لیے تیار نہیں ہے، اس شخص کا ایک بھانجا ہے جو اس شخص کو پناہ بھی دیتا ہے اور اس کا علاج بھی کرواتا ہے، اس شخص کے پاس خالی تین مرلہ زمین ہے اور وہ اس شرط پر کہ بھانجا اس کی مرنے تک خدمت کرتا رہے گا؟ تو عرض ہے کہ شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

جب اس مریض کا بھانجا اسے پناہ بھی دیتا ہے اور اس کا علاج بھی کراتا ہے اور لڑکا ناخلف ہے تو بہتر یہ ہے کہ اپنے املاک کا ایک تہائی حصہ اپنے بھانجے کو وصیت کر دے اور دو تہائی اپنے وارثین کے لیے چھوڑ دے، لڑکے اور دوسرے وارثین کو ترکے سے حصہ اللہ نے دیا ہے تو وہ اس مریض کی وفات کے بعد از خود حق دار ہو جائیں گے اور بھانجا تمام تر خدمت کے باوجود محروم ہو جائے گا، اس لیے اس کے حق میں وصیت کر دے، وصیت ترکے کے ایک تہائی تک ہوتی ہے، مثلاً اس کے پاس تین مرلہ زمین ہے اور اس کے ذمہ کسی کا کوئی قرض نہیں ہے تو بھانجے کے نام ایک مرلہ زمین وصیت کر سکتا ہے جو اس کی وفات کے بعد بھانجے کو مل جائے گی۔ مناسب یہ ہے کہ وصیت نامہ لکھ دے، اس پر دین دار گواہوں کے دستخط بھی کروا دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک بیٹے کو تمام جائداد ہبہ کرنے اور دوسرے کو محروم کرنے کا حکم

حضور میرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر باپ جیتے جی تمام جائداد صرف ایک بیٹے کو دے دے یعنی ہبہ کر دے اور دوسرے بیٹے کو اس میں سے کچھ حصہ نہ دے تو شرعی طور سے صرف ایک بیٹے کو تمام جائداد ہبہ کر دینا اور دوسرے کو محروم رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

باپ ہرگز ہرگز ایسا نہ کرے کہ ساری جائداد ایک لڑکے کو دے دے اور باقی سب لڑکوں اور وارثوں کو محروم کر دے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اپنے وارث کو اپنی میراث دینے سے بھاگے اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دے۔ (مشکوٰۃ شریف)

دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کو برابر برابر دو۔ (مشکوٰۃ شریف)

واللہ تعالیٰ اعلم۔

فوم پر سجدہ کرنے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج کل اکثر مساجد کے فرش پر جو فوم بچھایا جاتا ہے، اس فوم کے بارے میں عوام کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس فوم پر پیشانی جم جاتی ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ اس پر پیشانی ٹھیک سے نہیں جم پاتی۔ حالاں کہ عام لوگ جس طرح عام فرش پر نماز پڑھ لیتے ہیں ٹھیک اسی طرح اس پر بھی بلا پیشانی جمائے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس فوم کو مساجد کے فرش پر بچھایا جائے یا نہیں۔ اس پر نماز کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے۔ بینوا و توجروا عند اللہ۔

الجواب

فوم موٹا بھی ہوتا ہے اور پتلا بھی، موٹے فوم پر پیشانی نہیں جمتی لہٰذا سجدہ کرنے سے سجدے کا فرض نہ ادا ہوگا تو نماز بھی نہ ہوگی۔ اور پتلے فوم پر پیشانی جم جاتی ہے تو اس پر سجدہ صحیح ہے، لہٰذا اس پر نماز صحیح ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

واٹس ایپ سے قرآنی آیات شیئر کرنے کا حکم

(۱)- کیا واٹس ایپ سے قرآن کی آیت شیئر نہیں کر سکتے؟
(۲)- کیا اس آیت کو مٹانا قرآن کو مٹانا ہے؟ ہاں یا نا میں جواب

عنایت فرمائیں۔

الجواب

(۱)- استدلال وغیرہ کی ضرورت ہو تو آیتِ قرآنی کو سینڈ کر سکتے ہیں اور بلا ضرورت بچنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)- موبائل کے حروف ”شعاعی حروف“ ہوتے ہیں، موبائل اُور لوڈ ہو جائے تو شعاعی حروف کو محو کر دینے میں حرج نہیں۔ بچیں تو بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عورت کا تانبے اور پیتل کا زیور پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

عورت تانبے، پیتل اور دھاتوں کا بنا زیور پہن کر نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں، مکروہ ہے یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے؟

الجواب

عورت کو سونے چاندی کے علاوہ کسی بھی دھات کا زیور پہننا حرام و گناہ ہے اور ایسا زیور پہن کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور عورت پر واجب ہوگا کہ ایسے تمام زیور اتار کر دوبارہ نماز پڑھے، ساتھ ہی توبہ بھی کرے اور آئندہ ایسے زیورات سے بچے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا آج بھی کپڑے کی طہارت کے لیے تین بار نچوڑنا چاہیے؟

کیا موجودہ دور میں صابن اور بہترین قسم کے کپڑے دھونے والے آلات ہونے کے باوجود بھی تین مرتبہ بقوت نچوڑنا کپڑے کی پاکی کے لیے ضروری ہے؟ یا ایک مرتبہ دھونے اور بلا نچوڑے کپڑا صاف ہو جائے گا؟

الجواب

جو نجاست دِکھتی نہیں ہے اس کے بارے میں ہمارے علما کا فتویٰ اب تک یہی ہے کہ اسے دھو کر تین بار اِس طرح نچوڑیں کہ قطرے ٹپکنا بند ہو جائیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں نجاست کے دور ہونے کا علم حاصل ہونا دشوار ہے، کیوں کہ نجاست دکھتی نہیں ہے تو کیسے اطمینان حاصل کیا جائے کہ وہ کپڑے سے دور ہو چکی ہے۔ صابن کی ایجاد فقہاے کرام کے عہد میں ہو چکی تھی، پھر بھی انھوں نے تین بار اچھی طرح نچوڑنے کی شرط رکھی، وہ اس لیے کہ جب حقیقت کا علم دشوار ہو تو اس کے سبب ظاہر کو ہی اس کا قائم مقام مان لیا جاتا ہے اور تین بار میں خوب اطمینان اور ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے کہ نجاست دور ہو چکی، پھر یہ اس کا سبب ظاہر بھی ہے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ نجاست دور ہو چکی، اگر یہی نہ ہو تو حقیقت کا علم نہ ہو سکے گا، اس لیے آج کے دور میں بھی وہ شرط باقی ہے، فی الحال ذہن میں یہی توجیہ ہے۔ ممکن ہے اس میں آئندہ آسانی کی کوئی اور راہ نکل سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بہرے، گونگے اور اندھے شخص کو اسلام کی تبلیغ کیسے کی جائے؟

ایک شخص ہے جو بہرا بھی ہے، گونگا بھی اور اندھا بھی، اس کو اسلام کی تبلیغ کیسے کی جائے؟

الجواب

یعنی وہ شخص صُمٌّ بکمٌ عمیٌ ہے، بہرا، گونگا، اندھا۔ نہ حق بات سن سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، نہ دیکھ سکتا ہے۔ فیض رسانی و فیض یابی کے سب دروازے بند ہیں اور تقریر و تحریر سے اس کی تبلیغ نہیں ہو سکتی۔ ماشاء اللہ! آپ مبلغ ہیں، صالح ہیں تو اسے اپنی صحبت میں رکھیں یا کسی جامع شرائط شیخ کی صحبت میں رہنے کا انتظام کر دیں۔ یہ صحبت اس کے لیے باعثِ ہدایت و نجات بن سکتی ہے۔ ارشادِ باری ہے ”وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ“ اور صادقین کے ساتھ رہو۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ عقلِ سلیم کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے، اس لیے اس کی مبلغ خود اس کی عقلِ سلیم ہے، اگر اسے اتنا زمانہ ملے جتنے میں وہ خوب اچھی طرح غور و فکر کر کے اپنے خالق اور اس کی وحدانیت کی معرفت حاصل کر سکے تو اس پر کم از کم اس حد تک ایمان لانے کا حکم ہونا چاہیے کہ اس کا کوئی خالق ہے جو ایک ہے۔ یہ زمانہ عقل و فہم کی تیزی اور کمی کے لحاظ سے کم و بیش ہو سکتا ہے جو اس کے خالق و مالک جل شانہ کو معلوم ہے۔

اس کی نظیر ایک حد تک شاہق الجبل کا مسئلہ ہے یعنی جو شخص بلند پہاڑ کی چوٹی پر ہو اور اس تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی تو مدتِ تأمل گزرنے کے بعد اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور ترکِ ایمان پر عند اللہ اس سے مواخذہ ہوگا۔ یہ مذہب امام ابو منصور ماتریدی اور امام شیخ الاسلام و صدر الشریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ اس موضوع پر بقدرِ حاجت گفتگو مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت جلد اول بحث احکام میں ہے۔

اسی کے قریب حکم اس گونگے، بہرے، اندھے شخص کا بھی ہونا چاہیے کہ اپنی عقل سے اپنے خالق کا عرفان حاصل کر سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ ☆☆☆

۲۳؍ برسوں کے بعد
الجامعۃ الاشرفیہ کا دیدار

...ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر مصباحی

ہندوستان کا ممتاز و نام ور اور مایہ ناز تعلیمی ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے طلبۂ کرام اپنے تعلیمی فریضے کے علاوہ تحریری و تقریری سرگرمیوں اور اشاعتی دل چسپیوں سے بھی ہمیشہ وابستہ رہتے ہیں۔ اس اشاعتی کاکردگی کا سلسلہ تقریباً ۱۹۷۷ء سے جاری ہو کر اب تک پابندی سے برقرار ہے۔ جماعتی سعیِ پیہم اور اجتماعی تعارف کی بنیاد پر نہ جانے کتنی کتابیں شائع کر چکے، جماعتیں آتی ہیں اور اپنے کارنامے انجام دے کر رخصت ہو جاتی ہیں۔ اس عظیم اشاعتی بیداری اور ملی خدمات کو ایک بار پھر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ انتہائی مسرت کی بات ہے کہ اس رسم کو مزید مستحکم اور پائدار بناتے ہوئے جماعتِ سابعہ کے فعال طلبہ نے اسے سالانہ تقریب سے وابستہ کر دیا، جس کے تحت تحریری و تقریری مقابلوں کے فیصلے اور مطبوعات کی رسمِ اجرا کا اہتمام ہونے لگا، اس موقع پر ہر سال کسی نہ کسی عالم و دانش ور کو مدعو کر کے بطور مہمانِ خصوصی اس تقریب میں شامل رکھتے ہیں۔ یہ ناچیز خاکسار نہ عالم ہے اور نہ ہی دانش ور۔ تاہم ۲۰۱۷ء کی تقریب میں شرکت کے لیے اس راقم خاکسار کو حکم دیا گیا، پھر وہ دن بھی آیا جب ۲۳؍ مارچ ۲۰۱۷ء کی صبح کو عزیزی معزاور عزیزی کاشف سلمہما کو ہمراہ لے کر بذریعہ کار مبارک پور کے لیے روانہ ہو گیا۔ ۲۳؍ برسوں کے بعد اشرفیہ حاضر ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ احساسات و تصورات کا ہجوم بار بار اپنی گرفت میں لیتا رہا۔ نہ جانے وہاں کی دنیا کتنی بدل گئی ہوگی، بڑے وسیع پیمانے کے باوجود ذہنی خاکہ مطمئن نہیں کر پا رہا تھا۔

میں نے جو شے زمیں پہ دیکھی تھی
سن رہا ہوں فلک پہ جا پہنچی

سفر کے دوران طالب علموں کا برابر فون آتا رہا، محبت بھرا لہجہ مجھے بیتاب کرتا رہا، پھر میں نے یہ اطلاع بھی دی کہ عن قریب مبارک پور کی سرحد کے قریب پہنچنے والوں ہوں۔ شام چار بجے کے بعد میں الجامعۃ الاشرفیہ کے صدر دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ شدت سے منتظر رہنے والے عزیز طلبہ کا ہجوم پہلے سے موجود تھا، کار کے رکتے ہی نعرے لگائے اور پھولوں سے عزت افزائی کی۔ جذبۂ والہانہ اور وفورِ شوق دیکھ کر آنکھیں ڈبڈبا آئیں، اچانک یہ شعر زبان پر آگیا۔

چاہت کی منزلوں سے میں گزرا ہوں بارہا
لیکن تمھارے عشق نے دیوانہ کر دیا

بیتاب نگاہیں ہر طرف کا جائزہ لینی لگیں، سرسری طور پر جو بھی دکھائی دیا مجھے حیرت میں ڈال دینے کے لیے بہت کافی تھا جامعہ اشرفیہ کی تعمیری ارتقا نے تاریخ کا سارا رخ بدل کر رکھ دیا، فلک بوس عمارتیں کہاں نہیں؟ کس نے نہیں دیکھیں؟ لیکن طویل و عریض سرزمین پر پھیلی ہوئی الجامعۃ الاشرفیہ کی عظیم الشان عمارتوں نے احساس کمتری کا سارا غبار دھو ڈالا۔ یہ آفاقی ادارہ سنیت کی پیشانی پر آبرو بن کر چمک رہا ہے۔ نعرۂ حضور حافظِ ملت (علیہ الرحمہ) کے سائے میں ہم لوگ مہمان خانے کی طرف بڑھنے لگے، مہمان خانے کے سامنے ٹھہرے تو اندر سے حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ اور حضرت مولانا صدر الوریٰ مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ تشریف لائے اور میری حاضری کو سراہتے ہوئے مسرتوں کا اظہار کیا۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ میرے قدیمی محبِ گرامی سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی نظام الدین مصباحی صدر دار الافتا جامعہ اشرفیہ، حضرت مفتی محمود مشاہدی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، محبی المکرم حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ اشرفیہ و استاذ جامعہ اشرفیہ اور عزیز گرامی جناب حسیب اختر مصباحی سلمہ اللہ تعالیٰ ڈائریکٹر کمپیوٹر ڈپارٹمنٹ (وغیرہم) بھی تشریف لے آئے تھے۔ سبھی نے میری آمد پر خوشی کا اظہار کیا تھا، گویا ہر آنے والا لمحہ ایک نئی لطافت، ایک نئی شگفتگی اور ایک تازہ فرحت کا احساس دلاتا رہا۔ دریں اثنا طلبائے عزیز نے چائے ناشتے کا اہتمام کیا، سبھی نے چائے نوشی کی۔ نمازِ مغرب کے لیے ہم لوگ مسجد کی جانب چل پڑے، مسجد میں داخل ہوتے ہی دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، تصوراتی خاکہ چکنا چور ہو گیا۔ سبحان اللہ جس طرف نظر ڈالی عظمتوں کا قافلہ دکھائی دیا، مسجد اشرفیہ [عزیز المساجد] کی وسعت و کشادگی، نقش و نگار اور اونچے اونچے عالی شان محراب و در نے شاہی مسجدوں کا رنگ پھیکا کر دیا۔ ۶۴؍ قبہ جات سے مزین یہ خانۂ خدا الجامعۃ الاشرفیہ کی جان ہے۔ نمازیوں کی روح ہے۔ مسجد کے دائیں جانب دو بڑے بڑے حوض اور بائیں نئے طرز کا مخصوص

وضوخانہ عجیب دل کشی اور حسن کا منظر پیش کرتا ہے، ہزاروں بجلیوں کی روشنی سے مسجد کا گوشہ گوشہ چمک رہا تھا۔ مسجد اشرفیہ کی تعمیر میں تعاون کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ خیر و برکت کی برسات کرے۔ آمین۔

محبِ گرامی حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب کی التفات خصوصی ہمہ دم میرے ساتھ رہی، عزت افزائی کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا، بڑے ہی شریف النفس، منکسر المزاج اور سلیم الطبع انسان ہیں، میں جتنی دیر اشرفیہ میں رہا وہ اپنے لطیف لب و لہجہ اور دلکش پیرایہ میں تعمیری و ارتقائی احوال و کوائف کی ترجمانی کرتے رہے اور قدم قدم پر تعارف و اطلاع سے نوازتے رہے، موصوف کے متعدّد انداز دل کو موہ لینے کی زبردست صلاحیت رکھتے ہیں۔ عالی شان مسجد سے نکل کر ہم لوگ بانی الجامعۃ الاشرفیہ استاذی المغفور حضور حافظِ ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانۂ بافیض پر حاضر ہوئے، خراج عقیدت اور نذرانۂ محبت پیش کرتے ہوئے ادب سے سر جھکایا۔ ہم لوگ اس عظیم مردِ مجاہد، عظیم مدرس، عظیم محدث اور اس فاتحِ قلوب کی بارگاہ میں حاضر تھے جس نے رب قدیر کی جلالت و کبریائی، ناموسِ رسالت مآب اور تعلیمات اسلامیہ کے تحفظ و بقا کے لیے زندگی کا ایک ایک لمحہ قربان کر دیا۔ آستانے میں حاضر ہوئے تو بے شمار مبارک یادوں نے اشک بار کر دیا۔ باآوازِ بلند فاتحہ خوانی کی اور قصیدہ بردہ شریف کے چند اشعار بھی پڑھے۔ روحانی لذتوں سے شاد کام بھی ہوئے اور سلامِ عقیدت پیش کرتے ہوئے آستانے سے باہر آئے۔ پھر ہم لوگ مرکزی درس گاہ کی طرف روانہ ہوئے، ماہ نامہ اشرفیہ کا اولین دفتر اسی درس گاہ کے ایک ہال میں تھا، جہاں میں نے اکتوبر ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۳ء تک ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارتی ذمہ داری نبھانے کی سعادت حاصل کی تھی۔ ہال میں داخل ہونے سے پہلے بے شمار یادوں نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ نیک اور صالح یادیں اور پاکیزہ تصورات زندگی کی سب سے قیمتی امانت ہوتے ہیں۔

تمھاری ذات سے یادیں ہیں اب بھی وابستہ
مری حیات کی خاطر بہت ہیں یہ تحفے

میں نے مولانا مبارک صاحب سے عرض کیا کہ میں یہاں تک خود نہیں آیا، میرے ایک خواب کی تعبیر یہاں تک کھینچ کر لائی ہے۔ میں نے وضاحت کی کہ چند ہفتہ قبل میں نے خواب دیکھا تھا کہ دوران ادارت میں الہ آباد سے واپس آیا اور دفتر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا، دیکھا کافی کتابیں اور کاغذات بکھرے ہوئے ہیں، میں انھیں سمیٹنے میں مصروف ہوا ہی تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ پھر دیوار سے ٹیک لگا کر قصیدۂ غوثیہ کے چند اشعار پڑھے اور یادِ دیرینہ کو تازہ کرتے ہوئے ہم لوگ ہال سے باہر نکل آئے۔

خمارِ حسنِ صنم بار بار کہتا ہے
کہاں کہاں تری یادوں کا آشیانہ ہے

محبی المکرم مولانا مبارک حسین صاحب کی کرم نوازی لگاتار میرے ساتھ رہی۔ آپ مجھے دار الافتا کی شان دار اور پر شکوہ عمارت کے اندر لے گئے، عمارت کی زینت و زیبائش اور دلکش بام و در کا نظارہ کر کے ایک بار پھر میری مسرتوں کی انتہا نہ رہی، جس عمارت کے اندر داخل ہوتا ہوں ایک نئی حیرت کا دباؤ بڑھنے لگتا ہے۔ دار الافتا کی یہی وہ عمارت ہے جہاں سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب اپنے رفقا و معاونین کے ہمراہ فتاویٰ نویسی کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ بلا شبہہ الجامعۃ الاشرفیہ کے اس مایہ ناز مفتی کے بعض تحقیقی فتووں نے ساری اسلامی دنیا سے داد و تحسین حاصل کی۔ اپنی علمی سرفرازی، فقہی سربلندی اور بالیدہ نظری کی روشنی میں حضرت سراج الفقہا کو سوالات کے جوابات کے لیے بطور خاص دعوت دی جاتی ہے، آپ ماریشس بھی تشریف لے گئے اور اپنے فقہی دبدبے کا چراغ جلا کر واپس آئے۔ جامعہ اشرفیہ میں ہر سال ہونے والے عظیم الشان فقہی سیمینار میں دیگر علما و فقہا کی موجودگی میں صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات اور سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی نظام الدین رضوی مد ظلہما کی حیثیت و اہمیت بہت اہم سمجھی جاتی ہے۔

یہاں کے بعد مولانا مبارک حسین مصباحی کی رہنمائی میں ہم لوگ لائبریری پہنچے۔ یہاں بھی حیرت و استعجاب کی ایک نئی لذت سے آشنا ہونا پڑا، عمارت کی وسعت و کشادگی، کتابوں کی کثرت اور جائے مطالعہ کے قرینہ و سلیقہ نے خاکسار کو بہت متاثر کیا۔ وقت عشا قریب ہونے کے سبب بعض نئے ہاسٹلوں کو اندر جا کر تو نہ دیکھ سکا، مگر بیرونی بلندیوں سے داخلی جاہ و حشمت کا صاف اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد جامعہ کا وسیع و عریض اشرفیہ ہاسپیٹل بھی دیکھا، یہاں بھی ایک شیریں منظر اور نئی دلکشی نے استقبال کیا۔

ہر سمت جب فضاؤں پہ حاوی شباب ہو
دیوانگیِ شوق کا پھر کیا حساب ہو

اسپتال کے ڈاکٹر عزیزی محمد کلیم سلمہ سے ملاقات ہوئی۔ بہت ہی مؤدبانہ انداز کا اظہار کیا، سب سے اچھی بات یہ رہی کہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اسپتال میں چائے پینے کا موقع ملا پھر ہم لوگ دار التناول بھی چلے گئے، جہاں متعلمینِ جامعہ رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ دار التناول (میس) نہایت وسیع و کشادگی اور صاف ستھرا دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ مولانا مبارک حسین صاحب قبلہ نے جامعہ کا بجلی گھر بھی دکھایا۔ اس

انداز کا پرائیویٹ بجلی گھر میں نے کہیں نہیں دیکھا، اندر جانے کے بعد بہت ہیبت طاری ہوئی، موٹے موٹے تار، پائپ اور دیو نما جنریٹروں کے بیچ سے گزرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ یہیں میرے پرانے شناسا سے بھی ملاقات ہوگئی جو بجلی گھر کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے ہیں۔ میں نے کئی بار دیکھا کہ جب بھی سرکاری بجلی جاتی ہے، جامعہ کی بجلی سپلائی پل بھر میں پورے ماحول کو جگ مگ کر دیتی ہے۔ میں مولانا موصوف کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ مختصر سے وقت میں جہاں تک ممکن ہو سکا بیشتر شعبہ جات کی سیر کرائی اور ایک سے ایک خوشگوار اطلاعات سے مطلع کیا۔ عشا کا وقت ہو چکا تھا، ہم لوگ مسجد کے قریب پہنچے ہی تھے کہ علامہ سراج الفقہا اور دیگر معزز حضرات سے ملاقات نماز عشا ادا کرنے کے بعد مہمان خانہ واپس آئے، سبھی نے ماحضر تناول کیا، کئی اقسام کے لذیذ اور ذائقہ دار کھانوں نے ساری تکان دور کر دی۔ اللہ تعالیٰ رزق خیر میں برکتیں عطا فرمائے۔ بعدہ جامعہ اور طلبہ کی جانب سے شائع ہونے والی تحقیقی، علمی اور فقہی کتابیں ایک بریف کیس میں رکھ کر بطور تحفہ خاکسار کو عطا کی گئیں، جس کے لیے یہ خاکسار نہایت ممنون و مشکور ہے۔ کچھ توقف کے بعد ہم لوگ تقریب گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچتے ہی دلنواز، سہانے اور رومانی منظروں نے ایک بار پھر سینے میں ہلچل مچانا شروع کر دیا، ہزاروں افراد کی موجودگی میں دور تک بہار ہی بہار نظر آ رہی تھی۔ جماعت سابعہ کے پر جوش اور مخلص و بیدار طلبہ نے دل کھول کر اہتمام کیا، تمام تقریب گاہ کو بڑے پر تکلف اور دلکش انداز میں آراستہ کیا گیا تھا۔ اسٹیج کی دیدہ زیب آراستگی اور اس پر علمائے کرام اور معزز حضرات کی جلوہ گری دیکھنے کے لائق تھی۔ سرگرمیِ جماعتِ سابعہ کے حق میں اساتذۂ اشرفیہ اور ارکانِ بالا کی بھرپور دل جوئی اور حوصلہ افزائی کے جلوے نظر آئے۔ حضرت مولانا مفتی زاہد علی سلامی صاحب استاذ الجامعۃ الاشرفیہ نے نظامت کا آغاز کرتے ہوئے بندۂ احقر کا مختصر تعارف کرایا۔ ۲۰۱۷ء کی جماعت سابعہ کی دعوت پر مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے نوازے جانے والے اس خاکسار نے اپنا مقالہ پیش کیا اور مختصر سی خطابت کا بھی شرف حاصل کیا۔

بعض اطلاعات و توضیحات کے لیے حضرت سراج الفقہا بھی مائک پر تشریف لاتے رہے، آپ نے طلبۂ اشرفیہ کے مابین ہونے والے تحریری و تقریری مقابلے کا خلاصہ بیان فرمایا اور سالنامہ "باغ فردوس" کا مجموعہ بہ عنوان "مجتہدینِ اسلام نمبر" اور جماعتِ فضیلت ہی کی جانب سے شائع کردہ پانچ کتابوں کے مجموعے "مناقبِ الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان" کی اشاعت پر دلی مبارک باد پیش کی، جس کی تائید اس خاکسار نے بھی کی۔ پانچ کتب امام اعظم پر مشتمل یہ ضخیم مجموعہ اصحاب علم و دانش اور امتِ مرحومہ کے لیے عظیم کارنامہ و تحفہ ہے۔ پروگرام کے مطابق علمائے عظام اور عوام الناس کے مبارک جذبات کی چھاؤں میں اس مجموعہ کی رسم اجرا ادا کی گئی۔ بعدۂ اس خاکسار نے تمام انعام یافتہ طلبائے معززین کو کتب و رسائل کا ایک ایک ضخیم پیکٹ پیش کیا اور ان کی تعلیمی و اشاعتی کاوشوں کو مبارکباد پیش کیا۔ میں تمام طلبائے جامعہ بالخصوص جماعتِ فضیلت ۲۰۱۷ء کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ رب کریم بطفیلِ رسالت مآب علیہ الصلاۃ والسلام انھیں وسیع پیمانے پر فیضانِ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ حاصل کرنے اور دنیا کے گوشے گوشے میں پرچم سنیت بلند کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کے دعائیہ کلمات کے بعد سالانہ تقریب کا اختتام ہوا۔ اسٹیج کے تمام حضرات درس گاہ کے ایک وسیع ہال میں جمع ہوئے طلبہ نے ایک بار پھر زوردار چائے ناشتہ سے تواضع کی۔ دورانِ جلسہ اپنے دو پرانے دوست حضرت مولانا نعیم اختر صاحب امام جمعہ جامع مسجد راجہ مبارک شاہ (علیہ الرحمہ) اور جناب شفیق احمد صاحب مبارک پوری سے مل کر بے حد مسرت ہوئی۔ عرض کرنا چاہوں گا کہ ایسے دلنواز ماحول اور ایسی خوشگوار محفل سے اتنی جلد رخصت ہونے کو توجی نہیں چاہ رہا تھا، مگر اہلیہ ڈرائیور کی اچانک خبر علالت نے سارا سرور پھیکا کر دیا اور قصبہ جا کر دیگر عظیم عمارتوں اور انٹر کالج کے دیدار سے محروم رہ گیا۔ زندگی رہی تو یہ آرزو بھی ان شاء اللہ جلد ہی پوری کروں گا۔ تقریباً ڈیڑھ بجے شب کو الجامعۃ الاشرفیہ سے رخصت ہوگیا۔ محبِ مکرم مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب اور بعض اساتذہ و طلبہ نے بڑے خلوص و محبت کے سائے میں رخصت کیا، دل پر گہرا اثر ہوا، ان حضرات کی محبت کو شاید ہی بھول پاؤں۔

جلالۃ العلم استاذی المغفور حضور حافظ ملت محدث مبارکپوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جبروتی و لاہوتی مشن کو بے تکان اور لگاتار آگے بڑھاتے رہنے میں آپ کے جانشین اور اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ حضرت مولانا الحاج عبد الحفیظ مصباحی صاحب قبلہ کی عرق ریز جد و جہد مسلسل شدرحال، حوصلہ مند کاوشوں اور سرگرمیوں نے ایک تاریخی حیثیت بنالی ہے۔ ارتقائے اشرفیہ کے لیے ہمہ دم سرگرداں رہنا اور فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑتے رہنا، عظیم خدمات کی علامت ہے۔ ملت اسلامیہ کی فلاح و بقا کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا فریضہ انجام دیا جا سکتا ہے۔ بے شمار اصحاب زر اور دل والوں کی کثیر جماعتوں کی معاونت اللہ قبول فرمائے اور رسولِ گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆

اسلام میں احترامِ انسانیت کا تصور

محسن رضا ضیائی

آج جب کہ دنیا میں ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی ہے ،اضطراب و بے چینی اور انتشار وبدامنی کی فضا قائم ہے ۔انسانیت دم دوڑتی نظر آرہی ہے۔انسانیت وآدمیت کا خون بہاناایک شوق سابن گیا ہے۔

اگر عالمی تناظر میں دیکھا جائے توانسانی قدروں کی پامالی ایک بہت بڑاالمیہ بن چکی ہے۔ایک انسان دوسرے انسان کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔خرمنِ انسانیت مذہبی ، مسلکی،قومی اور نسلی آگ کی پوری طرح لپیٹ میں ہے اور جستہ جستہ اسے خاکستر کرنے کے دہانے پر ہے۔ جہاں مشرقِ وسطیٰ میں بے گور وکفن لاشوں کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں، وہیں جنوبِ مشرقی ایشیامیں انسانیت دردوکرب اور ظلم وستم اور فساد و خون ریزی سے کراہ رہی ہے۔پوری دنیا تماشہ بیں بنی ہوئی ہے ۔ موجودہ وقت میں اس طرح کے اور بھی کئی ایک واضح شواہد موجود ہیں جوانسانیت کی بدترین تصاویر پیش کرتے ہیں جس سے انسانیت وآدمیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

ان سب کے پسِ پردہ اسلام کی تعلیمات کونشانہ بنایاجارہاہے۔ ان سب کا اسے ہی ذمہ دار ٹھہرایا جارہاہے ۔ پوری دنیا میں احترامِ انسانیت کا قتل وخون ہورہاہے،انسانی حقوق واقدار پامال ہورہے ہیں اور اس کے لئے اسلام کومتہم گردانا جارہاہے تو ایسے حالات میں ضرورت پڑتی ہے کہ عصرِ حاضر کے ان انسانوں جن کی رگ وپے میں انسانیت کے خلاف خون جوش ماررہاہے اور وہ لوگ جو اسلام کی شبیہ کو داغدار کرنے کی ناکام اور مذموم کوشش کررہے ہیں، کے سامنے اسلام کے ان روشن وتابناک پہلوؤں کولایاجائے جن میں احترامِ انسانیت کا درس پنہاہے،انسانی اقدار کا تحفظ موجود ہے اور انسانیت وبھائی چارگی کے بے مثال رشتے کا تصور پایاجاتاہے۔

یہاں یہ بھی بتادیناضروری ہے کہ ہر وہ شخص جو اسلام کی بابت تھوڑابہت بھی علم ومطالعہ رکھتاہے تواس پر یہ حقیقت آفتاب نیم روز کی طرح ظاہر وعیاں ہے کہ اسلام کی آفاقی وعالم گیر تعلیمات میں سے ایک احترامِ انسانیت بھی ہے۔اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر موڑ اور ہر محاذ پر انسانوں کے ساتھ احترام وتعظیم سے پیش آنے،ان کے حقوق و اقدار کا تحفظ کرنے اور رحم دلانہ ومشفقانہ برتاؤکرنے کی تاکید و نصیحت کرتاہے۔اس نے اپنے متبعین کواحترامِ انسانیت اور بقائے باہمی کا ایسا درس دیاجس کی مثال سوائے تاریخ اسلام کے اور کسی تاریخ میں نہیں ملتی ۔اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کے اوراق انسانیت وآدمیت کے احترام وتعظیم،پیار و محبت اوراخلاص ومروت سے بھرے پڑے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اسلام نے انسانیت کے خلاف کبھی بھی تشدد وعدمِ رواداری کا درس دینا توبہت بعیداس کی موافقت تک نہیں کیا اور نہ ہی احترامِ انسانیت کا معیار کبھی گرنے دیا،بلکہ تمام انسانیت پر اس کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس نے انسانیت کووہ مقام ومنصب عطا کیا جو دنیا کے کسی مذہب نے عطانہیں کیا۔

اسلام کی اس آفاقی تعلیم کوقرآن واحادیث اور تواریخ کی روشنی میں ملاحظہ کرتے چلیں جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ اسلام نے کس قدر انسانیت پسندی،باہمی رواداری اور بھائی چارگی کا درس دیاہے جس کا تصور دنیا کے دیگر مذاہب میں نہیں ملتا۔

قرآنِ کریم میں متعدّد مقامات پر مختلف اندازواسلوب میں انسانوں کا بیان ہواہے۔انسان کی حسنِ تخلیق اور عمدہ صورت کاقرآنِ کریم میں یوں ذکر ہوا:انجیر کی قسم اور زیتون کی اور طورِ سینا کی اور اس امان والے شہر،بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔(سورہ تین،آیت۱)

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں انسان کی حسنِ تخلیق بیان کرنے کے لئے چار مقدس اور اہم ترین چیزوں((۱)انجیر (۲) زیتون (۳) طورِ سینا (۴) امان والے شہر)کی قسم ارشاد فرمایاجس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اہم ترین چیزوں کی قسم کھاکر انسانوں کا احترام وعظمت بتانا مقصود ہے،اسی طرح اس کے حسن وخوبصورتی کا ذکر کرکے تمام مخلوقات پر شرف وفضیلت عطاکرنا مقصد ہے۔

اسی طرح اسلام میں تکریم انسانیت کا تصور بھی موجود ہے۔ چنانچہ قرآن، کریم میں فرمایا گیا: اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔ (سورہ اسرا، آیت ۷۰)

اس آیت کا واضح مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو "ولقد کرمنا بنی آدم" کا تاجِ زریں عطا فرماکر اسے تمام مخلوقاتِ عالم میں مشرف ومعزز فرمایا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک دوسرے کا احترام وادب کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا، نیز ان کے حقوق وفرائض کو ادا کرنے کی ہدایت وتلقین فرمایا۔ ارشادِ الٰہی ہے: "اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنی باندی غلام کے ساتھ بے شک اللہ تکبر کرنے والے اور فخر (غرور) کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ہے"۔ (سورہ نساء، آیت ۳۶)

اس آیت کی روشنی میں بھی یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے پڑوسیوں، رشتہ داروں، یتیموں، اور محتاجوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی ہدایت وتاکید کرکے احترامِ انسانیت کا درس دیا ہے۔

اس کے علاوہ اسلام نے بنیادی طور پر انسان کو کئی طرح کے حقوق وتحفظات فراہم کیا ہے۔ مثلاً جان کا تحفظ، عزت وآبرو کا تحفظ، مال کا تحفظ، اولاد کا تحفظ، روزگار کا تحفظ، عقیدہ ومذہب کا تحفظ اور بھی اس طرح کے حقوق ہیں جن کے ذریعہ انسان معاشرہ میں پرامن زندگی گزار سکتا ہے۔

اسی طرح کئی ایک احادیث کریمہ ایسی ہیں جن میں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے انسانوں کے ساتھ انتہائی رفق ونرمی، الفت ومحبت، عدل وانصاف، شفقت ورحم دلی، بھائی چارگی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی سے پیش آنے کی وصیت ونصیحت فرمائی ہے۔ یہ وصیت تو عام حالات میں ایک دوسرے کے ساتھ پیش آنے کے سلسلے میں ہے۔ یہاں تک کے آپ نے غزوات وسرایا میں بھی اپنے دشمنوں اور حریفوں کے ساتھ بدسلوکی اور غیر اخلاقی کاموں سے بچنے کی دلکش، دل نشیں اور عمدہ انداز میں نصیحت فرمائی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں امامِ مسلم ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ: حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی کو کسی لشکر یا سریہ کا امیر بناتے تو آپ ﷺ اسے خاص طور پر اللہ سے ڈرنے اور جو ان کے ساتھ ہوں ان کے ساتھ مسلمان (مجاہدین) کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت فرماتے پھر آپ ﷺ نے فرماتے اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جہاد کرو عہد شکنی نہ کرو اور مثلہ (یعنی کسی کے اعضا کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑی جائے) نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو اور جب تمھارا اپنے دشمن مشرکوں سے مقابلہ ہو جائے تو ان کو تین باتوں کی دعوت دینا وہ ان میں سے جس کو بھی قبول کر لیں تو ان کے ساتھ جنگ سے رک جانا پھر انہیں اسلام کی دعوت دو تو اگر وہ تیری دعوت اسلام کو قبول کر لیں تو ان سے جنگ نہ کرنا پھر ان کو دعوت دینا کہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے گھروں میں چلے جائیں اور ان کو خبر دیدیں کہ اگر وہ اس طرح کر لیں تو جو مہاجرین کو مل رہا ہے وہ انہیں بھی ملے گا اور ان کی وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں اور اگر وہ اس سے انکار کر دیں تو انہیں خبر دے دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہوگا اور ان پر اللہ کے وہ احکام جاری ہوں گے جو کہ مومنوں پر جاری ہوتے ہیں اور انہیں جہاد کے بغیر مال غنیمت اور مال فئے میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا اور اگر وہ تمھاری دعوت قبول کر لیں تو تم بھی ان سے قبول کرو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ انکار کر دیں تو اللہ کی مدد کے ساتھ ان سے قتال کرو اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کر لو اور وہ قلعہ والے اللہ اور رسول کو کسی بات پر ضامن بنانا چاہیں تو تم ان کے لئے نہ اللہ کے ضامن اور نہ ہی اللہ کے نبی ﷺ کو ضامن بنانا بلکہ تم اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو ضامن بنانا کیونکہ تمھارے لئے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے عہد سے پھر جانا اس بات سے آسان ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے عہد کو توڑو اور جب تم کسی قلعہ والوں کو محاصرہ کر لو اور وہ قلعہ والے یہ چاہتے ہوں کہ تم انہیں اللہ کے حکم کے مطابق قلعہ سے نکالو تو تم اللہ کے حکم کے مطابق نہ نکالو بلکہ انہیں اپنے حکم کے مطابق نکالو کیونکہ تم اس بات کو نہیں جانتے کہ تمھاری رائے اور اجتہاد اللہ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔ (صحیح مسلم، ج سوم، حدیث ۴۴۲۱)

اور ایک مقام پر مذکور ہے کہ: حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی غزوہ میں ایک عورت مقتولہ پائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کو ناپسند فرمایا۔ (صحیح مسلم، ج سوم، حدیث ۴۴۴۶)

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے صریح طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ اسلام میں انسانوں کے عزت واحترام، حقوق وتحفظات اور ہر طرح کی بنیادی ضرورتوں کا کامل واکمل طریقے سے خیال رکھا گیا ہے۔ان کے ساتھ کسی بھی طرح کی ظلم وزیادتی کو حرام وناجائز قرار دیا گیا ہے۔اسلام میں انسانیت کے تحفظ واحترام کا اندازہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے اس تاریخی کارمانے سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے انصار ومہاجرین کے مابین رشتۂ مواخات قائم فرماکر اخوت وبھائی چارگی ،اظہارِ ہمدردری، اتحاد ویکجہتی اور ایثار وقربانی کی وہ مثال دی کہ آج تک پوری دنیا بھی مل کر اس جیسی مثال پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔

گویا اب یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام رنگ ونسل، مذہب وملت، وطن وملک اور تہذیب وتمدن کے سارے امتیازات کو ختم کرکے خالصتاً احترامِ انسانیت کا درس دیتا ہے۔دنیا میں واحد اسلام ہی ایک ایسا فطری اور اعتدالی مذہب ہے جس نے انسانوں کو وسطیت واعتدال کے ساتھ زندگی گزارنے کا سلیقہ بتایا۔انسانیت پر ہر طرح کے ہونے والے ظلم وجور، قتل وقتال اور تعصب وتنگ نظری جیسے حملوں کو انسانیت وسماجیت کے لئے انتہا پسندی اور دہشت گردی قرار دیا۔ان کے مابین اخوت وبھائی چارگی جیسے عالم گیر رشتوں کو قائم کرکے انہیں کمالِ عروج بخشا۔لیکن باوجود اس کہ اسلام کو انسانیت دشمن اور انتہا پسند مذہب متصور کیا جارہا ہے۔جو انتہائی قابلِ افسوس اور باعث تشویش ہے۔مذہبِ اسلام جس کی تعلیمات وہدایات روزِ روشن کی طرح ظاہر وباہر ہیں۔اس کے بارے میں اس طرح کے مزعومہ خیالات وتصورات رکھنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ اس کے بارے میں کس قدر نفرت وعداوت چھپی ہوئی ہے۔انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ تعصب وتنگ نظری اور عداوت ودشمنی کا عینک اتار کر اس کی تعلیمات کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں۔یقیناً مذہبِ اسلام اور اس کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد آنکھوں پر پڑا نفرت وعداوت کا پردہ ہٹ جائے گا اور اس بات کا اعتراف ہوگا کہ اسلام دہشت گرد اور انتہا پسند مذہب کا نام نہیں بلکہ ایک پُر امن، اعتدال پسند اور احترامِ انسانیت کا درس دینے والا مذہب ہے۔

مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ وہ دنیا کے سامنے اسلام کی صحیح معلومات پیش کریں تاکہ انہیں اسلام اور اس کی تعلیمات کو سمجھنے میں مکمل طور پر آسانی ہو۔اسی کے ساتھ ساتھ خود بھی اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والا بنیں اور دوسروں کو بھی اپنانے کی ہدایت وتعلیم دیں۔☆☆☆

(ص:۲۰ کا بقیہ).....

وہاں نہ شادی کا خرچہ ہے اور نہ ہی طلاق پر کوئی ملامت وچرچا ہے اور مغربی کلچر میں عموماً شادی کی نہ کوئی بڑی محفل سجائی جاتی ہے اور نہ ہی طلاق ہوجانے پر کوئی خاص قانونی چارہ جوئی ہوتی ہے۔ دونوں جب تک چاہیں آپسی راضی خوشی سے ساتھ رہیں ورنہ بصورت دیگر ایک دوسرے کے میل ملاپ اور لپک جھپک سے باہر آجائیں ۔امید کہ طلاق کے حوالے سے ہماری یہ گفتگو مفید ومناسب اور جائز ومعقول معلوم ہوگی ۔اس تفصیل کے بعد اب آپ مرکزی حکومت کی جانب سے معزز عدالت عظمیٰ میں مسئلۂ طلاق میں پیروی کرنے والے اٹارنی جنرل جناب موکول روہتگی کا طلاق اور طلاق کی جملہ قسموں پر دیا ہوا یہ نامعقول بیان بھی سنیں ۔ان کا کہنا ہے کہ طلاق کی جملہ قسمیں (طلاق حسن ،طلاق احسن اور طلاق بدعی) قانونی نکتۂ نظر سے بری ہیں اور عورتوں کے بنیادی حقوق کو پامال کرنے والی ہیں ۔ان پر عمل سے عورتوں کی عزت اور ان کے حقِ مساوات پر ضرب آتی ہے۔دستور میں دیے گئے بنیادی حقوق سے مراد دستوری اخلاق ہے اگر آپ طلاق کے قانون کو کسی بھی زاویۂ نگاہ سے دیکھیں گے تو آپ کو یہ طلاق کا عمل بے جوڑ نظر آئے گا، (لہٰذا طلاق اور طلاق کی جملہ قسموں کو ختم کردیا جائے ہم اس کی جگہ ایک نیا قانون دیں گے)۔

Attorney General Mukul Rohatgi) contended that all forms of divorce was bad in law and voilated the fundamental rights of women.The different forms of talaq denied Muslim women equality and voilated their dignity. (further he said) What we are talking about here is the constitutional morality ,which is completely incongruous if we look at tiple talaq. So you can look at this practice from any prism but will reach the same conclusion - .(D.H.Hubballi-Dharwad,May,16,2017

طلاق کیوں؟

مفتی محمد علی قاضی مصباحی

ہر بس، ہر ٹرین اور ہر پلین میں یعنی ہر مسافر بردار سواری میں ایک دروازہ ہے یا کئی دروازے ہیں جو مسافروں کو اندر داخل ہونے یا سواری سے باہر نکلنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ مگر ہر سواری میں ایک ایمرجنسی ڈور بھی ہوتا ہے تاکہ حادثات و ناگہانی حالات میں مسافروں کو فوری طور پر سواری سے باہر نکال کر ان کی جان بچائی جاسکے۔ اگر یہ ایمرجنسی ڈور یا ونڈو مسافر بردار سواری میں نہ ہو تو سرکاری ٹرانسپورٹ ڈیپارٹمنٹ ایسی سواری کو چلانے کی قانونی پرمیشن نہیں دے گا۔ اسی طرح جب کسی ادارے، تنظیم یا کمپنی کا کوئی دستور، قانون یا لائحہ عمل بنایا جاتا ہے تو اس سے وابستگی یا اس میں رکنیت کے لیے دستور میں جہاں بہت سارے شرائط لکھے ہوتے ہیں وہیں ادارے یا تنظیم سے وابستہ شخص کو ضرورت پڑنے پر رکنیت سے خارج کردینے کے اصول بھی درج ہوتے ہیں تاکہ دستور کی خلاف ورزی کرنے یا ادارے کے مفادات کو زک پہنچانے کی صورت میں فوراً اُسے مذکورہ ادارے یا تنظیم سے باہر کیا جاسکے۔ ادارے کے دستور میں اگر ادارے سے وابستگی اور اس کی رکنیت کے شرائط کے ساتھ ساتھ ادارے سے وابستگی ختم کرنے یا اس کی رکنیت سے کسی کو خارج ہوجانے یا خارج کردیے جانے کے قوانین وضوابط مذکور نہ ہوں تو ایسا دستور نہ صرف نامکمل کہلائے گا بلکہ ایسے دستور کو قانونی منظوری بھی نہ ملے گی۔ ٹھیک اسی طرح سے نکاح کی تعلیم اور قانون ازدواج کے ساتھ ساتھ اگر طلاق کے قانون کا ذکر نہ ہوتا تو نکاح کی تعلیم ناقابل عمل اور نکاح کا فلسفہ نامکمل رہ جاتا۔ اس لیے قانون طلاق کوئی بے ربط وضبط اور غیر قیاسی عمل نہیں ہے بلکہ یہ ایک انتہائی معقول سائنٹفک اور پرامن قانونی طریقۂ انفساخ نکاح ہے۔ مگر افسوس کہ کوئی قانون طلاق یا طلاق ثلاثہ کو بے جوڑ کہہ رہا ہے تو کوئی اُسے بے ضابطہ بتارہا ہے (مرکزی حکومت کے سپریم کورٹ نمائندہ اٹارنی جنرل جناب موکول روہتگی طلاق کے عمل کو بے جوڑ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کی حمایت میں نمائندگی کرنے والے سپریم کورٹ کے سینئر وکیل جناب کپل سبل جی اِس کو گناہ اور بے ضابطہ و بے قاعدہ کہہ رہے ہیں اور سابق مرکزی وزیر اور سینئر کانگریسی رہنما جناب سلمان خورشید طلاق ثلاثہ کو گناہ کا نام دے رہے ہیں)۔ یاد رکھیں کہ جانبین میں جب تک نبھاؤ ہے تو نکاح کی عظمت باقی اور نکاح محفوظ و محترم ہے اور عاقدین میں جب ٹکراؤ پیدا ہوا تو سمجھو کہ شیشۂ نکاح چکنا چور اور رشتۂ ازدواج منقطع ہونے کو ہے۔ زوجین کی شرعی و قانونی محبت کا نام نکاح ہے اور زوجین سے جب محبت و مودّت کلی طور پر ختم ہوجائے تو اُس کی آخری قانونی صورت طلاق ہے تاکہ زوجین کے مابین روز روز کی نفرت وعداوت اور دائمی فساد و عناد کو ہمیشہ کے لیے ختم کرکے انہیں رشتۂ ازدواج سے آزاد کردیا جائے اور اپنی مرضی سے از سرنو ایک نئے شریک حیات کے ساتھ انہیں وابستہ ہونے کا اخلاقی و قانونی موقع دیا جائے۔ اس لیے طلاق قتل، چوری، اور مار پیٹ کی طرح کوئی جرم نہیں ہے کہ طلاق دینے پر طلاق دینے والے کو مجرم سمجھ کر اُسے سزا دی جائے یا معاشرے میں اُس کو معتوب کیا جائے بلکہ طلاق دراصل ایک قانون ہے۔ قانون کا صحیح استعمال کرنا بذات خود قانون کی پاسداری ہے جس طرح کسی بھی قانون کا غلط استعمال کرنا قانون کی خلاف ورزی ہوکر جرم ہوجاتا ہے۔ اس لیے طلاق جرم و معصیت نہیں بلکہ ابغض الحلال ہے یعنی سخت ناپسندیدہ عمل ہونے کے باوجود ناگزیر حالات میں ازدواجی زندگی کی شاہراہ سے باہر ہونے کا ایک راستہ ہے۔ جس طرح خرابی شکم کے باعث شکم کی صفائی کے لیے کبھی ڈاکٹر مُلّاب یعنی دست آور دوا دیتا ہے تو کبھی بہت زیادہ پیٹ بھر کے کھالینے یا پہلی غذا کے ہضم ہونے سے پہلے دوسری غذا کے استعمال کرنے سے پیدا ہونے والی سخت بے چینی کا فوری علاج کرنے کے لیے قے آور گولی تجویز کرتا ہے تاکہ مریض کسی بڑی ہلاکت کا شکار نہ ہوجائے۔ غور کیجیے کہ منہ مدخل ہے یعنی غذا کے جسم میں داخل ہونے کا راستہ ہے نہ کہ غذا کو باہر لانے کا مگر کبھی کبھی ایمرجنسی صورت حال میں انسانی مخرج کی ضرورت انسانی مدخل سے لینا پڑتا ہے۔ یہ ایک طرح کا سخت ناپسندیدہ عمل ہے مگر اس کے بغیر چارۂ کار بھی نہیں۔ اس عمل پر کیا کوئی سلیم العقل انسان ڈاکٹر کی اس تجویز کو طبی

جرم اور گناہ قرار دیتا ہے؟ نہیں! بلکہ اس طریقۂ علاج کو وہ ایک صحیح و معقول علاج قرار دیتا ہے۔

ملاحظہ! جب ضرورت پر کفرو حرام شئ (مثلاً کلمۂ کفر کا تلفظ و شراب کی قلیل مقدار کا استعمال) بقدر ضرورت حلال وجائز ہوجاتی ہے تو پھر ابغض الحلال شئ (طلاق ہو کہ طلاق ثلاثہ کا استعمال) عندالضرورت حرام وناجائز ہوکر گناہ کیسے ہوگئی؟ ذرا سوچیں کہ اگر کسی کو مکمل اور فوری طور پر نکاح سے باہر آنا پڑے تو وہ کیا کرے؟ کیا اس کے لیے بھی شریعت میں کوئی قانون ہے؟ جی ہاں اس کے لیے بھی قانون ہے۔اور وہ ہے بیکبار طلاق ثلاثہ۔ذہن میں رہے کہ ایک بار طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش تھی دو بار طلاق دینے کے بعد نکاح ثانی کی سہولت ملی مگر تین بار طلاق کے بعد نہ رجوع کی گنجائش رہی اور نہ نکاح ثانی کا موقع باقی رہا۔مطلب ہوا کہ پہلی اور دوسری صورت میں قانون مرد اور عورت دونوں کے حق (Favour) میں جارہا تھا جب کہ تیسری صورت میں قانون صرف عورت کے حق میں جاتا ہے نہ کہ عورت کے خلاف کہ آپ اُسے اُس کی مظلومیت کا نام دیں۔پہلی صورت میں یعنی ایک طلاق کے بعد مرد پر رحم کرتے ہوئے اُسے رجوع کا موقع دیا گیا دوسری صورت میں یعنی دو طلاق کے بعد اُس پر پھر ایک بار رحم کرتے ہوئے نکاح ثانی کے ذریعہ اپنی بیوی کو ساتھ رکھنے کی سہولت دی گئی اس طرح عورت کو بھی اِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ (عورت کو بھلائی کے ساتھ رکھو) کا فائدہ ملا۔لیکن تیسری صورت میں یعنی اگر تین طلاق دے دے تو اب مرد کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہوگی اگرچہ عورت ہی طلاق کا سبب کیوں نہ ہو؟ یعنی تین طلاق دینے کے بعد مرد کو ایک ایسی سزا سنائی جاتی ہے جو اُس کی غیرتِ مردانہ کو چیلنج کرنے والی ہے۔برسوں کی بیوی سے مرد کی محبت و مودت، اُس کے عمیق قلبی رشتے، اور اس کے جسمانی اور ذہنی لگاؤ کو اِس سزا سے ایسا جھٹکا لگتا ہے کہ اب عمر بھر وہ اس کی یاد میں تڑپتا رہے اور دوسری بات یہ کہ عورت جب نکاح ثانی کے ذریعہ کسی اور کی آغوش میں چلی جاتی ہے تو شوہرِ سابق لاکھ خوددار سہی اُس کی غیرت وخودداری خاک میں مل جاتی ہے۔سوال یہ ہے کہ پھر طلاق یافتہ عورت کی مظلومیت کا کیا علاج ہوگا؟ بے شک عورت مظلوم ہے (جب کہ طلاق بے سبب ہوئی ہو لیکن یہ خیال رہے کہ اگر طلاق دینے کی وجہ خود عورت کی بدکرداری اور اس کا چال چلن بھی ہو تو اس صورت میں مرد کی مظلومیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انصاف متقاضی ہے کہ مرد نہ چاہتے ہوئے بھی دوسری شادی کا بوجھ اٹھائے اور از سر نو ایک نئی زوجہ کے ساتھ اپنی زندگی کا آغاز کرے جس طرح عورت دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور ہے)۔چونکہ طلاق یافتہ عورت مظلومہ ہے۔اسی لیے نکاح ثانی خصوصاً نکاح بیوگان اور نکاح مطلقات) پر نہ صرف سیرتِ معلم انسانیت ﷺ میں روشن مثالیں موجود ہیں بلکہ حسن نیت کے ساتھ ایسی عورتوں پر رحم وکرم کرتے ہوئے اُن کو نکاح میں لانا عین اسلامی اخلاق وآداب کا اعلیٰ نمونہ بتایا گیا ہے۔افسوس کہ ہندوستانی مسلم معاشرے میں محض نکاح ثانی معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے بلکہ بیوہ اور مطلقہ کو بھی نگاہِ تحقیر سے دیکھا جاتا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ ہماری سوچ اور روش کا قصور ہے نہ کہ قانون شریعت کا۔اس لیے مسلم معاشرے کو چاہیے کہ وہ اس جانب فوراً اور منظم طریقے سے ہر شہر میں نہ صرف یہ کہ کوئی ٹھوس اقدامات کرے بلکہ حکومتوں سے بھی گزارش وسفارش کرکے ایسی مطلقات و مظلومات کے لیے کڑی شرطوں کے ساتھ کوئی پروگرام بنائے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد اب آئیے قانونِ طلاق کیوں؟ پر ہم ذرا غور کرلیں تاکہ شادی کے بعد غیر متوقع طور پر رونما ہونے والے حالات ومشکلات کے پیش نظر قانونِ طلاق کی صحت وضرورت ہمیں ٹھیک ٹھیک سمجھ میں آجائے۔

☆ذرا سوچیے کہ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہا پکا چور ہے تو آپ کیا کریں گے؟ آپ ضرور چھٹکارے کی سبیل پر غور کریں گے۔ایسی ہی مصیبت وضرورت پر قانون طلاق وخلع آپ کی بیٹی کو سہارا دیتا ہے ورنہ چور کے ساتھ آپ کی بیٹی کو زندگی گزارنا پڑے گا جسے کوئی شریف وعقل مند انسان پسند نہ کرے گا.

☆ذرا سوچیے کہ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہا ایک نمبر کا شرابی ہے تو آپ کیا کریں گے؟ آپ ضرور ایسے شرابی سے نجات کی راہ تلاش کریں گے ایسی ہی مصیبت وضرورت پر قانون طلاق وخلع آپ کی بیٹی یا بہن کو سہارا دیتا ہے ورنہ ایک شرابی کے ساتھ آپ کی بیٹی یا بہن کو زندگی گزارنا پڑے گا جسے کوئی دانا وبینا پسند نہ کرے گا۔

☆ذرا سوچیے کہ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہا ڈاکو ہے تو آپ کیا کریں گے؟ آپ ضرور ایسے ڈاکو سے اپنی بیٹی یا بہن کو چھٹی دلانے کی کوشش کریں گے ایسی ہی مصیبت وضرورت پر قانون طلاق وخلع آپ کی بیٹی یا بہن کو سہارا دیتا ہے ورنہ ایک ڈاکو کے ساتھ آپ کی بیٹی یا بہن کو

زندگی گزارنا پڑے گا جسے کوئی شریف الطبع انسان پسند نہ کرے گا۔

☆ذرا سوچیے کہ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہا نامرد ہے تو آپ کیا کریں گے؟ آپ ضرور ایسے نامرد کو آپ کی بیٹی یا بہن کی زندگی سے جلد از جلد دور کرنا چاہیں گے ایسی ہی مصیبت و ضرورت پر قانونِ طلاق وخلع آپ کو سہارا دیتا ہے ورنہ آپ کی بیٹی یا بہن کو ایک نامرد انسان کے ساتھ پوری زندگی گزارنا پڑے گا یا پھر وہ اپنی جسمانی خواہش کی تکمیل کے لیے بے راہ روی کے شکار ہوجائیں گے جسے کوئی عزت دار انسان پسند نہ کرے گا۔

☆ذرا سوچیے کہ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہا دولہن کے زیورات لے کر بھاگ گیا ہے تو آپ کیا کریں گے؟ اس موقع پر آپ ضرور ایسے نالائق سے اپنی بیٹی یا بہن کی زندگی کو بچانا چاہیں گے ایسی ہی مصیبت وضرورت پر قانونِ طلاق وخلع آپ کو سہارا دیتا ہے ورنہ زندگی بھر آپ کی بیٹی یا بہن کو اُس کمینے کے ساتھ زندگی گزارنا پڑے گا جسے ایک معزز شہری ہرگز پسند نہ کرے گا۔

☆ذرا سوچیے کہ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہا اِس سے پہلے کہیں اور شادی کر چکا تھا تو آپ کیا کریں گے؟ آپ ایسے دھوکا باز سے اپنی بیٹی یا بہن کو بچا لینے کی ہر ممکن کوشش کریں گے ایسی ہی مصیبت و ضرورت کے وقت قانونِ طلاق وخلع آپ کی مدد کرتا ہے ورنہ عمر بھر آپ کی بیٹی یا بہن ایک دھوکے باز ومکار انسان کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہوجاتی جسے ایک خوددار انسان کبھی گوارا نہ کرے گا۔

☆ذرا سوچیے کہ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہے پر کئی فوجداری کے مقدمات ہیں تو آپ کیا کریں گے؟ آپ ضرور اُس کرمنل ومجرم سے لڑکی کو بچائیں گے ایسی ہی مصیبت وضرورت پر قانونِ طلاق وخلع آپ کے کام آتا ہے ورنہ عمر بھی ایک عادی مجرم کے ساتھ آپ کی لڑکی کو زندگی گزارنا پڑتا جسے ایک قانون پسند شہری ہرگز پسند نہ کرے گا۔

☆ذرا سوچیے کہ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہا کے نکاح اول میں دولہن کی بہن یا دولہن کی پھوپھو یا اس کی خالہ یا اس کی نانی وغیرہا ہے تو آپ کیا کریں گے؟ آپ فوراً اپنی بیٹی کو اس غلیظ انسان سے دور کرنے کی سعی بلیغ کریں گے ایسی ہی مصیبت وضرورت کے وقت فسخ وتفریق کا حکم اور قانونِ طلاق وخلع آپ کی مدد کے لیے آگے آئے گا ورنہ آپ کی بیٹی کو ایک غلیظ وناپاک فرد کے ساتھ زندگی گزارنا پڑے گا جسے ایک پابند شرع مومن ومسلمان کبھی ہرگز پسند نہ کرے گا۔

☆ذرا سوچیے کہ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہا مسلمان نہیں ہے تو آپ کیا کریں گے؟ کیا آپ اس شادی کو برقرار رکھیں گے یا توڑدیں گے آپ ضرور دوسری والی صورت اپنائیں گے تو پھر آپ کو قانونی طور پر اپنی بیٹی کو شادی کے بندھن سے باہر لانے کی کوئی نہ کوئی تدبیر کرنی ہوگی ایسی ہی مصیبت وضرورت پر تفریق وفسخ نکاح یا طلاق وخلع وغیرہا کے قوانین آپ کا ساتھ دیں گے ورنہ جان بوجھ کر قوم کی بیٹی کو ایک ایمان واسلام سے محروم شخص کے حوالے کرنا ہوگا جسے ایک سچا مسلمان کبھی پسند نہ کرے گا۔

☆ذرا سوچیے کہ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہا کینسر کا مریض ہے تو آپ کیا کریں گے؟ آپ ضرور شادی کو تڑوائیں گے یعنی قانونِ طلاق وخلع سے فائدہ اٹھائیں گے ورنہ اُس مریض کی آخری سانس تک بیچاری کو صبر کرنا پڑے گا جسے کون عقل مند برداشت کرے گا۔

☆ذرا سوچیے کہ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہا کچھ بھی نہیں کماتا ہے، کام چور اور سراسر نکما ہے تو آپ کیا کریں گے؟ مالی مدد کریں گے! اور آخر کب تک اُس کی مالی مدد کرتے رہیں گے؟ آپ ضرور تنگ آکر اپنی بیٹی کو اپنے گھر بلالیں گے اور اُس نکمے داماد سے نجات کی راہ تلاش کریں گے۔ ایسی مشکل گھڑی میں قانونِ طلاق وخلع آپ کی بیٹی کی مدد کرتا ہے تاکہ وہ بعد طلاق وعدت کسی اور کے ساتھ پرسکون ازدواجی زندگی گزار سکے۔

☆ذرا سوچیے کہ شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہا پاگل ہے تو آپ کیا کریں گے؟ کیا اپنی بہن یا بیٹی کو اس کے پاس رہنے دیں گے یا کوئی اور تدبیر اپنائیں گے ضرور آپ کوئی اور تدبیر اپناتے ہوئے اپنی بہن یا بیٹی کو طلاق یا خلع دلوائیں گے۔ جی ہاں ایسے ہی نازک وقت پر یہ قانونِ طلاق وخلع آپ کی مظلوم بہن یا بیٹی کا ساتھ دیتا ہے ورنہ عمر بھر پاگل شوہر کے ساتھ رہتے رہتے آپ کی بیٹی یا بہن بھی ضرور پاگل ہوجائے گی جسے ہرگز کوئی صحیح العقل انسان تسلیم نہ کرے گا۔

اب آئیے ازدواجی زندگی کے ایک اور نامعلوم و تاریک پہلو کا بھی جائزہ لیتے چلیں۔ وہ یہ کہ دولہا تو ہر اعتبار سے ٹھیک تھا مگر شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہن دولہا سے ہرگز راضی نہیں ہے تو آپ کیا کریں گے؟ کیا زبردستی دولہن کو دولہا کے پاس رہنے دیں گے یا طلاق یا خلع کے ذریعے دونوں کو آزاد کرکے ان کی مدد کریں گے تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنا شریک زندگی کا انتخاب کرلیں۔

☆اسی طرح شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہن نابالغ (شرعی طور پر ہو یا کہ قانونی نکتۂ نظر سے) ہے تو آپ کیا کریں گے؟ انہیں خلوت صحیحہ یعنی ملنے کا موقع دیں گے یا انہیں ایک دوسرے سے دور رکھنے اور ان کی جدائی کی فوراً کوئی راہ تلاش کریں گے تاکہ شرعی طور پر مواخذہ نہ ہو اور قانونی لحاظ سے دولہا اور ذمہ داروں کی گرفت نہ ہو۔ ایسے ہی موقع سے تفریق، طلاق، خلع یا جدائی کا قانون ہی ہے جو آپ کا ساتھ دیتا ہے۔

☆اسی طرح شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہن کا کسی سے معاشقہ چل رہا ہے وہ اپنے والدین کی رضا سے راضی نہیں ہے تو آپ کیا کریں گے؟ کیا آپ دولہا سے کہیں گے کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے شادی تو ہو گئی ہے بس اُسی کے ساتھ گزارا کرو یا پھر آپ لڑکی کو خلع کے مطالبہ کا مشورہ دیں گے۔ ضرور آپ ایسی لڑکی کے ساتھ اپنے بیٹے یا بھائی کو رہنے نہ دیں گے بلکہ جدائی کی کوئی نہ کوئی صورت اپنائیں گے اور وہ صورت طلاق کی ہوگی یا خلع کی۔ اس کے علاوہ تیسرا راستہ اپنائیں گے تو دونوں کے لیے تباہی وہلاکت کا راستہ ہوگا۔

☆اسی طرح شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہن طبی جائزے کی روشنی میں ہم بستری کے لائق نہیں ہے تو آپ کیا کریں گے؟ دوسری دولہن لائیں گے یا اُسی مریضہ کے ساتھ زندگی بتائیں گے ہمیں یقین ہے کہ آپ ضرور ایسی مریضہ کو طلاق دے دیں گے ورنہ عہد شباب بدمعاشیوں اور عیاشیوں کے نظر ہو سکتا ہے جسے ایک شریف وصاف کردار انسان ہرگز ہرگز پسند نہ کرے گا۔

☆اسی طرح شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہن کی عدتِ طلاق کی میعاد ابھی ختم نہیں ہوئی ہے یا ابھی موت کی عدت باقی ہے تو آپ کیا کریں گے؟ دونوں میں تفریق کرائیں گے یا انہیں خلوت کا موقع دیں گے۔ آپ ضرور تفریق کا فیصلہ کریں گے اور دونوں کو حرام کاری وبدعملی سے بچائیں گے۔

☆اسی طرح شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہن آنکھ سے اندھی ہے یا اس کی ایک آنکھ نہیں دیکھتی ہے یا اس کی بینائی بالکل کمزور ہے تو آپ کیا کریں گے؟ کیا صبر سے کام لیں گے تب تو سبحان اللہ۔ چشم ماروشن دل ماشاد۔ مگر عموماً ایسا نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے پر الزام تراشی اور دھوکا دھڑی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر نفرت وعداوت سے بھرے سنگین نتائج سامنے آنے لگ جاتے ہیں ایسی صورت میں عاقدین اور ان کے والدین واقربا کو فساد سے بچانے کا ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ طلاق دو یا خلع کی درخواست کو قبول کر کے دولہن کو چھوڑ دو۔ ورنہ ایک نابینا یا بینائی سے محروم لڑکی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کی صبر آزما و دشوار گزار منزل کو قبول کرلو۔

☆اسی طرح شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہن دولہا کی سوتیلی بہن ہے تو آپ کیا کریں گے؟ یقیناً آپ فوراً جدائی چاہیں گے نہ کہ فعل حرام کا ارتکاب کریں گے۔ جدائی کیسے ہوگی؟ فوراً دونوں میں تفریق کرائی جائے گی ورنہ قاضی گواہ وکیل عاقدین سب کے سب گنہ گار ہوں گے۔

☆اسی طرح شادی کے بعد معلوم ہوا کہ دولہن پر آسیب وجادو کے اثرات ہیں تو آپ کیا کریں گے؟ دوا علاج کی کوشش کریں گے اور چند دنوں، چند ہفتوں، چند مہینوں اور کبھی کبھی سال دو سال تک صبر سے کام لیتے رہیں گے۔ صحت یابی مل گئی تو فبہا ورنہ والدین اور سارے رشتہ دار کہیں گے طلاق دے دو یا دوسری کرلو۔ جب کہ ہمارے سماج میں زوجۂ اولیٰ کی موجودگی میں نکاح ثانی بھی اتنا ہی ناگوار عمل سمجھا جاتا ہے جتنا کہ طلاق دے کر بیوی سے چھٹی لینا ناپسند کیا جاتا ہے مگر بہرکیف جو بہتر وآسان شکل بن پڑے اُس پر عمل کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔

اسی لیے قرآن میں ہے کہ جب تک بات بنی رہے اپنی بیوی کو بھلائی کے ساتھ رکھو اور جب بات بالکل نہ بنے تو زوجہ پر احسان کرتے ہوئے آزاد کردو:

فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَان.

(البقرہ۲آیت ۲۲۸)

ترجمہ! پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

اس طرح کی بہت ساری شقیں ہو سکتی ہیں کہ جہاں قطعاً نہ چاہتے ہوئے بھی طلاق وخلع یا عاقدین میں تفریق کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں رہ جاتا ہے۔ اب اِن سارے حقائق وواقعات کے باوصف قانونِ طلاق کو اسلام کا احسان ماننے کے بجائے اگر کوئی قانونِ طلاق ہی کو غیر وغلط بتائے یا اس کے استعمال کو جرم وگناہ قرار دے تو ہماری رائے ہے کہ وہ پھر اسلامی شادی ہی نہ کرے بلکہ مغربی دنیا کے طرز پر گرل فرینڈ سے کام چلانے کی سوچے۔ کیوں کہ مغربی دنیا میں نہ شادی پر کوئی خاص اصرار وپابندی ہے اور نہ ہی طلاق دینے پر کوئی مشکل وآفت ہے،.............. (باقی، ص:۱۶ پر)

انوارِ حیات

نیپال میں حضرت مخدوم شعیب فردوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فیضان

(۶۸۸ھ۔۸۲۴ھ)

مفتی محمد رضا قادری مصباحی

سلسلۂ فردوسیہ کے بطلِ جلیل، پروردۂ حضرت مخدوم جہاں، شہباز ولایت حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی ابن مخدوم جلال الدین منیری ابن مخدوم عبد العزیز ابن شیخ الاسلام حضرت امام تاج فقیہ، رحمہم اللہ، کی ولادت ۱۲/ ربیع الآخر ۶۸۸ھ بروز دوشنبہ مطابق ۱۵/ مئی ۱۲۸۹ء کو ان کے نانیہال موضع "کجانواں" بہار میں ہوئی۔ آپ حضرت مخدوم جہاں، شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے چچازاد بھائی ہیں۔ آپ کے پردادا حضرت تاج فقیہ اپنے وقت کے شیخ الاسلام اور نام ور فقیہ و محدث تھے۔

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ اخبار الاصفیا در احوال الاولیاء (فارسی) مصنفہ عبد الصمد بن افضل محمد بن یوسف الانصاری کے قلمی مخطوطہ ۱۸۰۰ء کے صفحہ ۳۴ پر یہ تحریر موجود ہے "شیخ یحیٰ بن اسرائیل منیری نور اللہ مرقدہ جدش از قدس بمنیر آمدہ، علم اسلام زدوبوطن مراجعت نمود سراج المجد از آثار اوست۔ و شیخ از متقدمین و اکابر وقت بود۔ ارشاد از شیخ شہاب الدین سہروردی دارد وہم از شیخ نجم الدین فردوسی۔"[1]

ترجمہ: شیخ یحیٰ بن اسرائیل منیری نور اللہ مرقدہ کے دادا قدس خلیل سے منیر تشریف لائے، اسلام کا پرچم گاڑ کر اپنے وطن واپس ہوئے۔ سراج المجد ان کی نشانیوں میں سے ہے۔ اجازت و خلافت شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ نجم الدین کبری فردوسی رحمہما اللہ سے حاصل تھی۔

یہ کتاب خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ تذکرۃ الکرام اور مرآۃ الکونین میں بھی آپ کو شیخ شہاب الدین سہروردی کا مرید و خلیفہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اپنے زمانے کے بڑے علما و مشائخ میں سے تھے۔ الخلیل (شام) سے نقلِ سکونت کر کے بہار کے قصبہ منیر میں قیام پذیر ہوئے۔ بعض مصنفین نے آپ کو شہاب الدین غوری کا ہم عصر بتایا ہے۔ مولانا محمد فقیہ کی ذات سے منیر اور اس کے مضافات میں اسلام کی بہت اشاعت ہوئی۔ کچھ عرصہ آپ نے منیر میں قیام کر کے وطن مراجعت فرمائی اور زندگی کا بقیہ حصہ خلیل ہی میں بسر کیا۔ آپ کا خاندان بدستور منیر میں رہا۔[2]

ماں کی طرف سے بھی آپ کا نسب حضرت تاج فقیہ سے ملتا ہے۔ آپ کے نانا شیخ ابوبکر ابن شیخ ابراہیم ابن شیخ اسماعیل ابن امام تاج فقیہ ہیں حضرت مخدوم شعیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مادر زاد ولی تھے۔ اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے ہوتا ہے، مناقب مخدوم شعیب میں ہے:

جب بندگی مخدوم عالم پناہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شکم مادر میں تھے، ایک دن آپ کی والدۂ محترمہ حسب معمول اپنے حجرہ شریف میں مشغول تلاوت تھیں کہ اسی حالت میں آپ پر غنودگی طاری ہوئی اور آپ محو خواب ہوگئیں۔ اسی اثنا میں بندگی حضرت مخدوم جلال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حجرہ شریف میں تشریف لائے۔ حضرت بی بی صاحبہ کو نیند میں پایا، مگر آواز تلاوت کلام اللہ کی سن کر سخت متحیر ہوے۔ غور فرمایا تو معلوم ہوا کہ آواز تلاوت حضرت بی بی رحمۃ اللہ علیہا کے شکم پاک سے آرہی ہے۔ سمجھ گئے کہ آواز اس ولد مسعود کی ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے " السعید من سعدفی بطن أمه" اور جو مادر زاد ولی ہی نہیں بلکہ اپنے وقت کا عظیم المرتبت، سردار طائفۃ اولیا ہوگا اور وہی ہوا۔[3]

مخدوم کا آبائی وطن شیخ پورہ تھا۔ آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت اپنے وقت کے قطب المشائخ، حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کی بارگاہ میں ہوئی۔ شیخ نے آپ کو سلسلۂ فردوسیہ میں مرید کیا اور مجاہدات و ریاضات میں لگا دیا۔ مدتہاے دراز تک آپ نے اپنی عمر جنگلوں، پہاڑوں اور ویرانوں میں بسر فرمائی اور ایسی ایسی ریاضات شاقہ کیے کہ ان کو سن کر انسان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجاہدات کی تکمیل کے بعد شیخ نے اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت مخدوم شعیب مورنگ (نیپال) کے جنگلوں میں

جس زمانہ میں آپ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے زیرِ تربیت مجاہدات کبری میں مشغول تھے۔ آپ مُورنگ کے پہاڑوں پر پہنچ گئے اور گھنے جنگل میں انسانی آبادی سے دور ایک جگہ یاد حق میں مشغول ہوگئے۔ آپ پر اِستغراقی کیفیت طاری ہوئی، تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ ایک مدت تک آپ اسی حالت میں ایک ہی جگہ ایک نشست پر بیٹھے رہے۔ ایک چرواہا اپنے ریوڑ کو لے کر برابر آتا اور آپ کو اس حال میں دیکھ کر سخت حیران ہوتا اور کچھ نہ بولتا۔ جب ایک مدت تک اسی حال میں ایک ہی جگہ دیکھتا رہا، تو اس کے دل میں کچھ خیال آیا اور وہ ڈرتا ڈرتا آپ کے قریب گیا، آواز دی اور کچھ پوچھا، مگر کوئی جواب نہ ملا۔ بہت ہی نحیف آواز مخدوم کے منہ سے نکلی، مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اس چرواہے نے شہر میں آکر لوگوں سے اس کا تذکرہ کیا، رفتہ رفتہ یہ بات راجا نیپال کے کانوں تک پہنچی، اس نے کچھ عقل مند لوگوں کو اس چرواہے کے ساتھ روانہ کیے تاکہ حقیقت حال کا پتہ لگائیں اور راجا کو اس سے مطلع کریں۔ یہ لوگ چرواہے کے ساتھ اس مقام تک پہنچے اور مخدوم کے قریب جاکر حال دریافت کیا اور ان سے پوچھا:

آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟

اس وقت مخدوم حالت استغراق میں تھے۔ ایسے بے ہوش تھے کہ اپنی بھی خبر نہ تھی۔ ان کے جوابات کون دیتا؟[۴]

سید شاہ امین احمد فردوسی، سجادہ نشین، خانقاہ معظم بہار شریف (وصال ۱۳۲۱ھ، ۱۹۰۲ء) کے بقول آپ کی یہ حالت تھی۔

در زمانیکہ ہمیگشت بکوہ و صحرا
اتفاقا گذر افتاد بمورنگ اورا
چوں برفتند ز احوال بسے پر سیدند
سخنے از لب مد ہوش ولے نہ سنیدند
زاں کہ بودست درآنحال چناں مستغرق
کہ نہ بودش خبر از بے خودی خود مطلق[۵]

سید شاہ امین احمد فردوسی قدس سرہ کی یہ مثنوی کئی ہزار اشعار پر مشتمل فارسی ادب عالی کی شاہکار ہے۔ ۱۵۴/ اشعار میں آپ نے مخدوم شعیب فردوسی کے فضائل و مناقب بیان کیے ہیں اور ۱۲۰ اشعار کے ذریعہ مورنگ میں آپ کے مجاہدات کبری کے احوال بیان کیے اور یہ عنوان قائم فرمایا: تشریف آوری مخدوم شعیب قدس سرہ العزیز بمورنگ وچلہ برآوردن در چاہ تاریک تادوازدہ سال۔

مخدوم شعیب راجا نیپال کے سامنے: صاحب مناقب شعیب مولانا عبد الواسع صدیقی نے بڑی تفصیل کے ساتھ نیپال میں ان کے مجاہدات اور شاہ نیپال کے دربار میں حاضری کے واقعہ کو قلم بند فرمایا ہے۔

راقم الحروف ذیل کی سطور میں اس کی تلخیص پیش کرتا ہے:

آخر ان لوگوں نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ یہ کوئی مرد کامل ہیں۔ ڈولے پر حضرت کو سوار کیا اور راجا کے دربار میں اسی استغراقی کیفیت میں لے کر آگئے۔ راجا، حضرت مخدوم کو اس حالت میں پاکر بہت متحیر ہوا۔ آپ کو پکارا، سوال کیا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ حضرت مخدوم کے منہ سے کچھ ایسی موہوم آواز نکلتی تھی جو ان کے سمجھ سے باہر کی تھی، لیکن اس نحیف آواز سے انھیں یہ یقین ہوگیا کہ حضرت مخدوم میں زندگی کے آثار موجود ہیں اور وہ زندہ ہیں۔

راجا کا گرو ایک جوگی تھا جو اس کے نزدیک مرد کامل تھا۔ راجا نے اسے بلوا کر حضرت مخدوم کے متعلق پوچھا کہ بتائیے یہ کون ہیں اور کس حال میں ہیں؟ راجا کے گرو نے انھیں دیکھ کر بتایا کہ ابھی کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس لیے کہ یہ ابھی دھیان میں مشغول ہیں۔ جب محویت سے فارغ ہوں گے تو معلوم ہوسکے گا کہ یہ کون ہیں؟

راجا نے حضرت مخدوم کو اسی حالت اِستغراق میں چھوڑا اور محافظوں کو آپ کی خدمت پہ مامور کر دیا اور تاکید کی کہ جب اور جس وقت آپ استغراق سے نزول فرمائیں، مجھے فوراً خبر کرو۔ تین چار دنوں کے بعد حضرت مخدوم نے استغراق وحدت سے عالم کثرت میں نزول فرمایا۔ اپنے گردو پیش پہاڑ نہ پاکر اور لوگوں کا ہجوم دیکھ کر دریافت فرمایا: تم لوگ کون ہو، اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟

لوگ اسی انتظار میں تھے کہ آپ ہوش میں آئیں تو راجا کو خبر دی جائے۔ لوگ دوڑے ہوئے راجا کے پاس خبر لے کر گئے کہ وہ مرد کامل اب باتیں کرنے لگا ہے۔ راجا نے حضرت کو ڈولے میں سوار کرا کر اپنے پاس بلوایا اور اَحوال دریافت کرنا شروع کیے، مگر چوں کہ حضرت مخدوم، کثرتِ ریاضت سے اس قدر ناتواں اور نحیف ہو چکے تھے کہ گفتگو کی طاقت بھی باقی نہ رہی۔ ایک دو باتوں کا جواب دے کر خاموش ہوگئے۔ راجا نے اپنے گرو جوگی کو طلب کیا اور کہا مجھ سے تو آپ باتیں نہیں کرتے، دیکھیے آپ کچھ پوچھیے شاید کچھ جواب دیں۔ جوگی نے دیکھا کہ جسم کا کپڑا تو جسم سے جالگا ہے اور ناتوانی کا یہ حال ہے کہ تن مبارک میں نہ گوشت ہے نہ

خون۔اس حال میں آپ کسی سے باتیں ہی کیا کر سکتے ہیں۔اس لیے اس نے راجا کو مشورہ دیا کہ اس حال میں ان سے گفتگو نا ممکن ہے۔چند دنوں تک ایسی ترکیب کی جائے کہ ان کے جسم میں کچھ قوت آجائے اور کلام کر سکیں۔راجا نے فوراً اپنے دربار کے نام ور اطبا کو اکٹھا کیا اور انھیں حکم دیا کہ آپ کا ایسا علاج کرو کہ جلد از جلد قوت آجائے۔ان معالجین نے علاج شروع کیا اور تھوڑی تھوڑی غذا مخدوم کو دی جانے لگی۔حضرت کی باطنی قوت تو حد درجہ کمال کی تھی، جسمانی قوت بھی ایک ہفتہ میں عود کر آئی۔راجا کو اس کی خبر ملی، اس نے فوراً حکم دیا کہ حضرت کو میرے سامنے لایا جائے اور اپنے گرو جوگی کو بھی پاس بلوایا کہ اب آپ گفتگو کریں۔اور حقیقت حال کا پتہ لگائیں کہ یہ کون ہیں؟ جوگی نے آتے ہی حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا آپ کون ہیں؟

آپ نے کہا: میں مسلمان ہوں۔

یہ معلوم ہوتے ہی وہ آپ سے بحث کرنے لگا۔حضرت نے اس کی بحثوں کا شافی جواب دیا اور اسلام پر اعتراضات کا ایسا رد کیا کہ وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔جب اپنے دین باطل کی صداقت پر دلیلیں لانے سے عاجز آگیا تو اس نے مجاہدات و ریاضت باطنی پر بحث شروع کی اور کہنے لگا: آئیے ہم اور آپ ایک چلہ تک بغیر کچھ کھائے پیے ایک ہی نشست پر ایک طرح بیٹھ جائیں، دیکھیں کس کی فتح ہوتی ہے۔

مخدوم شعیب بارہ سال تک بے آب و دانہ پاٹن کنویں میں بند: حضرت مخدوم نے اس کی ان ہفوات کو سن کر فرمایا: کہا کہتے ہو؟ ہمارے مشرب میں چالیس دنوں کا چلہ تو عورتیں اور بچے کر لیتے ہیں، ہم تو مرد ہیں۔میری رائے ہے کہ ایک کنواں کھدوایا جائے اور اس کے دو جانب دو بڑے طاق، ہم دونوں کے بیٹھنے کے لائق بنوائے جائیں اور ہم دونوں کنویں کے اندر ایک ایک طاق میں ایک دوسرے کے مقابل ہو کر بیٹھ جائیں۔پھر کنویں کا منہ ریختہ سے پٹوا کر بالکل بند کر دیا جائے اور کم از کم بارہ سال کا چلہ بے آب و دانہ تمام کریں۔

راجا یہ سن کر متعجّب ہوا اور تمام ارکان دولت حیرت میں ڈوب گئے۔آخر یہ بات طے پائی اور چارو ناچار جوگی کو بھی منظور کرنا ہی پڑا۔آبادی سے باہر ایک کنواں کھودوایا گیا اور اس میں دو طاق بنوا ے گئے۔حضرت مخدوم شعیب رحمۃ اللہ علیہ وضو فرما کر ایک طاق پر قبلہ رو ہو کر بیٹھ گئے اور آپ کے بالمقابل دوسرے طاق پر جوگی پورب کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔راجا کے حکم سے کنویں کا منہ ایک بہت بڑے پتھر سے پاٹ کر بند کر دیا گیا۔چوں کہ اس کنویں کو پاٹ کر بند کیا گیا تھا اس لیے یہ بعد میں پاٹن کنواں کے نام سے مشہور ہوا۔لوگ سخت حیران تھے اور عام طور پر یہ سمجھتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ چالیس پچاس دنوں میں دونوں ختم ہو جائیں گے، بھلا بارہ سال تک بھی کوئی بے آب و دانہ رہ سکتا ہے، جہاں ہوا کا بھی گذر نہ ہو، مگر انھیں کیا معلوم تھا کہ حضرت مخدوم، آفتاب و ماہتاب، جھلملاتے تاروں، دریاؤں اور پہاڑوں کو اپنا رب تسلیم کرنے والے نہ تھے بلکہ وہ رب العالمین، قادر مطلق کے پرستار تھے۔۱۲/ سال کا یہ چلہ کسی ساحرانہ طاقت کے بل پر نہیں بلکہ اس خدائے ذوالجلال کی دی ہوئی طاقت کے سہارے کرنے جا رہے تھے، جس نے بحر قلزم کی گہرائیوں میں شکم ماہی کے اندر حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس دن تک زندہ و سلامت رکھا اور فرمایا اگر وہ میری تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو قیامت تک شکمِ ماہی میں رہ جاتے۔

”فلو لا انّه كانَ مِن المُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بِطنِه اِلٰی يَومِ يُبعَثُونَ“۔(۶)

اور جس نے اصحاب کہف کو طرطوس کے پہاڑوں پر ایک غار کے اندر تین سو نو (۳۰۹) سال تک صحیح و سلامت رکھا۔

”وَلَبِثُو فِی كَهفِهِم ثَلٰثَ مائةٍ سِنِينَ وَازدادُو تِسعاً“۔(۷)

ایام گذرتے رہے، کچھ دنوں تک تو اس واقعہ کا چرچا ہر زبان پر جاری رہا لیکن امتدادِ زمانہ کے ساتھ لوگ اسے بھولتے رہے یہاں تک کہ بھول گئے، لیکن راجا کو اس کی فکر تھی۔وہ ماہ و سال گنتا رہا۔یہاں تک کہ بارہ سال کا طویل زمانہ گذر گیا اور وہ دن آگیا کہ کنواں کھولا جائے۔

بارہ سال کے بعد پاٹن کنواں کھولا گیا: راجا اپنے دربار کے تمام وزرا، عقلا اور ارکان دولت کو لے کر کنویں پر آیا۔اس نے اسے ویسا ہی بند پایا جیسا کہ روز اول تھا۔بادشاہ نے کنویں کے منہ پر سے وزنی پتھر کے ہٹانے کا حکم دیا۔پورا شہر اس منظر کو دیکھنے کے لیے امنڈ آیا تھا۔پتھر کھولا گیا، کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مخدو شعیب فردوسی رحمۃ اللہ علیہ، طاق پر قبلہ رو اسی طرح بیٹھے ہیں، اگر چہ آپ کا نحیف جسم اس حالت کو پہنچ گیا ہے کہ چمڑا ہڈیوں سے جالگا ہے اور تاریک کنواں آپ کی جبینِ مبارک کے لمعات نور سے چمک رہا ہے۔دوسری طرف دوسرے طاق میں جوگی کی گلی ہوئی ہڈیوں کے ریزے پڑے

ہیں۔اس منظر کو دیکھ ر راجا اور تمام اہالیان شہر حضرت مخدوم کے معتقد ہوگئے اور اسلام کی حقانیت وصداقت کا سکہ ان کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ راجا نے چاہا کہ حضرت کو طاق سے باہر لایا جائے مگر اطباءِ دربار نے منع کیا اور عرض کیا کہ اس طرح اگر آپ کو باہر لایا گیا تو آپ کے جسم کو ہوا لگنے سے بعض امراض کے لاحق ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لیے اس کی ترکیب یہ ہے کہ چند آدمی اندر جائیں اور آپ کے بدن پر روئی کے ہلکے نمدے روغن میں بھگوکر چسپاں کریں تاکہ ہوا جسم میں اثر نہ کرے۔ طبیبوں کی رائے پر عمل کرتے ہوئے اس طرح آپ کو کنویں سے باہر لایا گیا۔ راجا نے حضرت کو خاص محلِ شاہی میں جگہ دی، شاہی محل کے تمام ارکان، رانی اور شہزادوں سمیت سب نے حضرت کی خدمت کو اپنے لیے باعث فخر سمجھا۔ (اُس وقت بادشاہ کا دار السلطنت، کرتی پور، کاٹھمنڈو میں تھا)

صاحب گل فردوس (شاہ امین احمد فردوسی) فرماتے ہیں:

ہمچناں کر د بر آور د و بقصر خود برد
واندر آنجاش بدست زن وفرزند سپرد
ناز بس حسن عقیدت ہما خدمت بکنند
دل ودیں باختہ تحصیل سعادت بکنند (۸)

شاہی طبیب نے ایک چلہ (چالیس دن) تک اسی طرح آپ کو روئی میں لپیٹ کر رکھا۔ چالیس دن کے بعد حضرت مخدوم کے جسم میں حرکت ہوئی اور چند دنوں بعد آپ نے دودھ کی غذا شروع کی۔ چھ سات ماہ میں آپ تندرست ہوگئے اور جسمانی طاقت عود کرآئی۔ راجا کو حضرت مخدوم سے بے حد عقیدت ہوگئی تھی اور ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت بجالانا باعث افتخار سمجھتا تھا۔

حضرت مخدوم کی مورنگ سے واپسی اور راجا نیپال کو صدمہ: اتنے لمبے عرصہ کے بعد اب حضرت مخدوم کو وطن واپس ہونے کی خواہش ہوئی۔ آپ نے مورنگ سے واپسی کا ارادہ کیا، یہ واقعہ کاٹھمنڈو کا ہے۔ صاحب مناقب شعیب سے اس امر میں تسامح ہوا ہے کہ انھوں نے مورنگ کا دائرہ کاٹھمنڈو تک بڑھادیا۔ جبکہ مورنگ کا اطلاق موجودہ براٹ نگر کے علاقہ پر ہوتا ہے۔ اس جنگل میں آپ کو دیکھا گیا تھا پھر وہاں سے شاہی دار السلطنت کاٹھمنڈو لایا گیا۔ شاہ نیپال کو آپ کی جدائی کا بڑا صدمہ ہوا، رخصت کے وقت آب دیدہ ہوکر اس نے اتنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا کہ حضرت مخدوم نے اس کے ملک کے لیے بہت دعائیں کیں اور راجا کو دعائیں دے کر رخصت ہوئے۔ جس کا اثر اب تک اس ملک میں محسوس کیا جاتا ہے۔

سوانح مخدوم شعیب رحمۃ اللہ علیہ کے مصنف نے اس کنویں کے متعلق لکھا ہے:

وہ کنواں جس میں حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ بارہ سال تک چلہ کش رہے تھے، اب تک زیارت گاہ عام وخاص ہے اور محلِ اجابت دعا ہے اور اب تک یہ رسم چلی آئی ہے کہ جو شخص راج گدی پر بیٹھتا ہے پہلے اس کنویں پر جاکر کھانا اور مٹھائی بہت نیاز مندی سے آپ کی روح مبارک پر نذر ونیاز کراتا ہے اور اس دن مساکین وغربا کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے، بعدہ وہیں پر رسم تلک ودستاربندی انجام پاتی ہے۔ (۹)

مخدوم شعیب کے ہاتھ پر نیپال کے راجہ کا قبول اسلام: مخدوم شعیب فردوسی کے حوالے سے مذکورہ بالا واقعہ کا ذکر آج سے تقریباً ڈیڑھ صدی پیشتر بہار کے نامور محقق عالم دین مولانا سید فرزند علی منیری (ولادت ۱۲۵۳ھ وفات: ۶/ ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ) نے اپنی کتاب وسیلۂ شرف میں کیا ہے۔

مخدوم شعیب علیہ الرحمہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

نقل ہے کہ آپ جنگل مورنگ میں مشغول حق تھے۔ عالم استغراق میں کونین سے بے خبر ہوگئے اور کچھ دنوں اسی حالت سے رہے ایک چرواہا نے کہ وہاں آتا جاتا تھا جب کئی دن ایک جگہ پر ایک حالت سے آپ کو دیکھا شہر میں خبر دی وہاں کا راجہ آیا اور بتعظیم وتکریم آپ کو اٹھواکر اپنے گھر لے آیا۔ آپ کو طاقت گویائی نہ تھی۔ راجہ کا گرو کہ جوگ میں پورا تھا آپ کو دیکھ کر بولا کہ یہ ابھی اپنے دھیان میں چڑھے ہوئے ہیں جب دھیان سے اتریں گے بولیں گے۔ الغرض جب افاقہ ہوا لوگوں نے جو حال پوچھا تو ضعف کے باعث ایک بات بولے اور چپ ہوگئے جب دو چار روز میں طاقت آئی اور کچھ بولے تو جوگی نے سمجھا کہ یہ مرد مسلمان ہیں۔ اس کے دل میں حسد وعداوت پیدا ہوئی۔ القصہ ایک دن وہ اپنے مذہب کی تائید اور دینِ اسلام کی تردید کرنے لگا۔ اپنے دلیلوں سے اس کو لاجواب کیا تو ریاضت ومجاہدہ میں بحث کرنے لگا اور بولا کہ آؤ ہم دونوں چلہ کریں اور چالیس دن بے آب ودانہ رہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ چلہ تو ہمارے مذہب کے بچے کرتے ہیں آؤ بارہ برس کا چلہ کریں اور کنویں میں بیٹھ کر اوپر سے پٹوادیں راجہ متعجب ہوا اور آپ نے جس طرح پر فرمایا راجہ نے حکم کیا اور ایک کنواں کھدوایا اور اس میں طاق بنائے۔ گروجی مجبور ہوئے ان کی

بات زبان کا پاس آبرو کی شرم راجہ کے سر تاج تھے جان جائے تو جائے کرنا کیا تھا ایک طاق میں پورب کی طرف منھ کر کے بیٹھے اور وضو کر کے ایک طاق میں قبلہ رخ ہو کر آپ بیٹھے اور اوپر سے پاٹ دیا، مدت معہودہ گزرنے کے بعد راجہ آیا اور کھولا تو گرو کی بوسیدہ ہڈیاں نظر آئیں اور آپ اللہ کی یاد میں زندہ تھے۔ یہ عالم ملکوت کی خاصیت اور ملکیت کی صفت تھی کہ بغیر آب و دانہ زندہ رہے۔ یاد حق آپ کی قوت اور قُوت تھی جیسا کہ مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

قوت جبریل از مطبخ نبود
بود از دیدار خلاق ودود

الغرض راجہ روئی کے پہلون میں بڑی حفاظت سے کہ ہوا نہ لگے آپ کو اپنے گھر لے گیا اور تیمار داری کی۔ جب طاقت آئی رخصت ہوئے اور راجہ اور اس کے قبائل اور شہر کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے اس راجہ کو اور اس کے راج کو بہت دعائیں دیں اور سر بصحر ہوئے۔ انتھی بلفظہ[10]

صاحب مرآۃ الکونین مولانا غلام نبی فردوسی نے بھی اس واقعہ کو مرآۃ الکونین میں حضرت مخدوم شعیب فردوسی قدس سرہ کے تذکرہ میں بیان کیا ہے۔ انھوں نے ان کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے۔

مخدوم شعیب کی بارگاہ میں اکثر اجنہ حاضر ہو کر تحصیل علم کرتے۔[11]

نیپال کے پاٹن کنویں اور پاٹن محلے کی تحقیق: چوں کہ یہ واقعہ آج سے تقریباً ۶۰۰ سال قبل پیش آیا اس لیے تاریخی طور پر یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ واقعی ایسا کوئی کنواں نیپال کی تاریخ میں موجود ہے یا نہیں جہاں یہ حیرت انگیز واقعہ پیش آیا تھا۔

اس سلسلے میں صاحب مناقب شعیب نے سید جلال الدین شطاری، مصنف ذکر شعیب (فارسی، قلمی) اور سید شاہ امین احمد فردوسی (وفات ۱۹۰۲ء۔ ۱۳۲۱ھ) صاحب گل فردوس کے حوالے سے کچھ حقائق بیان کیے ہیں، جو اس باب میں قابل اعتماد ہیں۔

حضرت سید جلال الدین بن سید حامد بن جمال بن جلال حسینی الشطاری الفردوسی رحمۃ اللہ علیہ (تاریخ وصال معلوم نہیں ہو سکی) نے اپنے رسالہ ذکر شعیب میں اس کنویں کے متعلق مذکورۃ الصدر روایت کے قریب قریب لکھا ہے، فرماتے ہیں:

"وآں چاہ راز یارت گاہ کردہ اند ہر کس کہ راجامی شود بر سر آں چاہ رفتہ طعام و شیرنی نذر ارواح مقدسہ بفقراء صرف می کند"۔[12]

اندازہ ہے کہ سید جلال الدین شطاری نے اپنے رسالہ میں سب سے پہلے اس کنواں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان سے قبل کوئی ماخذ ایسا نظر نہیں آتا جہاں یہ واقعہ مذکور ہو۔ یہ واقعہ حضرت شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خانقاہ میں مشہور ہے اور نسلاً بعد نسلٍ یہ روایت حضرت سید جلال الدین شطاری تک پہنچی اور انھوں نے ذکر شعیب میں قلم بند کر دیا ہے۔

صاحب گل فردوس بھی ایسا ہی فرماتے ہیں:

چاہ را پس بنمو دند زیارت گاہے
کا ندراں ماند چنیں مرد خود آگاہے
ہم چنیں رسم ہنوز است در آنجا جاری
چوں شود راجۂ نو بر سر چہ یک باری
خواندش فاتحہ اطعام مساکین بکند
از حلاوۃ دہن آں ہمہ شیریں بکند
مشکلے آید اگر پیش کسے را آنجا
بر سر چاہ در آیند پئے مشکلہا[13]

صاحب مناقب شعیب کی تحقیق: مناقب شعیب کے مصنف حضرت مولانا عبد الواسع صدیقی نے جب اس رسالہ کی تالیف کا ارادہ کیا تو حضرت مخدوم شعیب کے سجادہ نشین، حضرت شاہ نجم الدین احمد فردوسی، خانقاہ عالیہ شعیبیہ، شیخ پورہ سے عرض کیا کہ پاٹن کنواں اب کس حالت میں ہے اس کی تحقیق کرنی چاہیے۔ کیوں کہ اس رسالہ کے لیے جو مواد دستیاب ہے وہ بہت پہلے کا ہے اس لیے موجودہ تحقیق بہتر ہوگی۔ صاحب سجادہ نے ایک خط مولانا نصیر الدین نیپالی، حال مقیم موضع پرسا ضلع مظفر پور کو لکھا، اس کا جو جواب انھوں نے بھیجا وہ من وعن ہدیہ قارئین ہے:

مجی ومحترمی!

جناب بندہ نواز.........   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! قبل میں ایک خط ترسیل خدمت کر چکا ہوں، ملا ہوگا۔ موجودہ خبر حسب ذیل ہے۔ کاٹھمنڈو پایۂ تخت نیپال ہے۔ وہاں پانچ سرکار رہتے ہیں، اس سے پورب ایک ڈیڑھ میل پر توری کھیت ہے، جس کو نیپال کہتے ہیں، یہاں تین سرکار رہتے ہیں۔ پانچ سرکار کو بادشاہ یا راجۂ نیپال کہتے ہیں۔ تین سرکار نائب شاہ ہے، پا سوپتی دیوتا، پاسوپت مندر نیپال میں ہے اور کاٹھمنڈو میں ایک کنواں

کے اوپر مندر نما شکل ہے۔ یہاں پر ہر خاص وعام کو جانے نہیں دیتے، ملیٹری کا پہرہ چوبیس گھنٹے رہتا ہے۔ یہ کنواں پاٹن کنواں، کہہ کر مشہور ہے اور کاٹھمنڈو کا پاٹن محلہ کہلاتا ہے۔ اس کنواں کے سائڈ میں تین کمرے بنے ہیں جن میں بہت بڑا گدا فریش لگا رہتا ہے جب راجا گدی پر بیٹھتا ہے تو دَرشن کو جاتا ہے یا اگر کہیں راجا جاتے ہیں تو کنویں کی زیارت کر لیتے ہیں، اگر نہیں جا سکتے تو اپنی تلوار بھیج کر منگواتے ہیں اور زیب تن کر کے باہر جاتے ہیں، پاسوپت مندر عام لوگوں کو درشن کا حکم ہے مگر پاٹن کنواں پر عام لوگوں کو حکم نہیں ہے۔ توری کھیت والے نیپال میں جہاں تین سرکار رہتے ہیں وہاں نائب شاہ کا محل ہے اور محل کی ایک دیوار سے متّصل، دیوار مسجد کی ہے اور اسی کے گرد پرانے زمانہ سے مسلمان ورانا خاندان کے لوگ آباد ہیں۔ وہاں پر سوائے مسلمانوں اور رانا خاندان کے کسی اور دوسری قوم کو آباد ہونے کا حکم نہیں ہے۔ ہر جمعہ کو شاہ نیپال کی طرف سے لڈو نیاز ہوتا ہے۔ اسلام کے کسی رُکن کی تعمیل میں رکاوٹ نہیں ہے۔ اس کنویں پر وہاں گدی لگی ہوئی ہے۔ ایک اور بھی کنواں ہے جسے بند کر دیا گیا ہے اس پر کچھ پوجا وغیرہ نہیں ہوتی یہی جوگی کا کنواں ہے۔ (۱۴)

عریضہ محمد نصیر الدین پرسوی

اس کے علاوہ سفیرِ حکومت نیپال برائے ہند متعیّنہ کلکتہ نے بھی پاٹن کنواں کی حقیقت کا اعتراف کیا اور کہا کہ شاہی خاندان میں بھی ایسی ہی روایتیں مشہور ہیں، مگر ان تاریخی حقائق کے پس منظر میں کون سی شخصیت ہے اس کا پتہ ہم بغیر کسی تحقیق کے نہیں دے سکتے۔ حضرت مفتی عبد الواجد صاحب قبلہ (دربھنگہ) مفتیِ اعظم ہالینڈ نے راقم سطور سے بیان فرمایا کہ میں نے اس کنویں کی زیارت کی ہے اب اس کو حوض میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ مخدوم شعیب فردوسی کے حوالے سے نیپال میں مجاہدات کی پوری تاریخ مولانا عبد الواسع صدیقی کی کتاب مناقب شعیب کے صفحہ ۱۲۸ تا ۱۴۶ سے نقل کی گئی ہے۔ اس کتاب کی تکمیل مصنف نے ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۲/ اپریل ۱۹۶۴ء میں کیا ہے۔ اور کتاب Taj Tress باری روڈ، گیا، بہار سے چھپی ہے۔ کل صفحات کی تعداد ۲۷۲ ہے۔

Biographical Encyclopedia of Sufis: South Asia کے مصنف حنیف صاحب نے حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین منیری، فردوسی کے تذکرہ کے ضمن میں حضرت مخدوم شعیب فردوسی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ایک مستند تذکرہ نگار، عظیم صوفی کی حیثیت سے کیا ہے۔ اصل عبارت پھر اس کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔

Hazrat Makhdum Shah Shoob Firdausi (d. 1421 A.D.) Cousin of Makhdum Jahan, and a con termporary of his, records many miracles and acts of super natural power performed by Makhdum Jahan at Rajgari, when he spent sereral years in devotion in course of his forty years of renucition in the Jungle. Manaqibul Asfia it is only source of information about the life and works of the Makhdum, and hence it my be considerded authentic, because it is author also was great Saint, who intrun, performed many miracles in course of this meditation at Shakpuram District Munghyr. His encounter with the ywgis of Nepal is too well-known, but this cannot be discussed (۱۵)here for want of space.

ترجمہ: مخدوم جہاں (شیخ شرف الدین یحیٰ منیری) کے چچا زاد بھائی اور ان کے معاصر بزرگ حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی (م ۱۴۲۱ء) نے "راج گیر" میں مخدوم جہاں کے ذریعہ ظہور میں آنے والے بہت سے کرامات اور مافوق الفطرت کارناموں کو درج کیا ہے۔ راج گیر کے جنگل میں مخدوم جہاں نے ترک دنیا کے دوران مجاہدہ میں کئی برس گزارے۔

مناقب الاصفیاء، مخدوم کی زندگی اور ان کے کارناموں کے بارے میں اطلاع فراہم کرنے کا واحد ماخذ ہے۔ مناقب الاصفیا کو اس لیے مستند سمجھا جاتا ہے کہ اس کے مصنف خود ایک عظیم صوفی تھے، جس کے ذریعہ مونگیر ضلع کے شیخ پورہ میں استغراق کے دوران بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔

نیپال کے یوگیوں کے ساتھ ان کا مقابلہ بھی مشہور ہے، لیکن جگہ کی قلت کے باعث یہاں اس پر بحث نہیں کی جا سکتی۔

درج بالا اقتباس سے کئی باتیں سامنے آئیں۔

اول یہ کہ مخدوم شعیب فردوسی کوئی مجہول شخصیت نہیں ہے بلکہ یہ حضرت مخدوم جہاں کے عم زادہ اور ان کے معاصر بزرگ ہیں۔

دوم یہ کہ مخدوم جہاں کے حالات پر سب سے پہلی اور مستند کتاب مناقب الاصفیا آپ نے ہی لکھی ہے۔

سوم یہ کہ نیپال میں آپ نے جوگیوں سے مقابلہ فرمایا ہے اور مذہب اسلام کی حقانیت پر نیپال کے جوگیوں سے آپ کا یہ مناظرہ اور مقابلہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، بلکہ تاریخ کے اجالے میں آنے کی وجہ سے مشہور بھی ہے اور لوگوں کو معلوم بھی۔ اسی شہرت اور قلت جگہ کے باعث اسے زیر بحث بھی نہیں لایا گیا۔

حضرت مخدوم شعیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سیرت پہ تفصیلی مطالعہ کے لیے سیرۃ الشرف از حضرت سید شاہ ضمیر الدین احمد بہاری نظامی، ذکر شعیب قلمی مطبوعہ از سید جلال شطاری۔ سوانح مخدوم شعیب از مولانا حافظ وزیر الدین صاحب مرحوم رحمانی، فردوسی، شیخ پوری، شرفا کی نگری مرتبہ، حضرت قیام الدین فردوسی وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ سلسلۂ فردوسیہ کے مشائخ کے حالات پر فارسی زبان میں انتہائی مستند کتاب مناقب الاصفیاء حضرت مخدوم شعیب ہی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اگرچہ ناقدین نے اس پر کلام کیا ہے۔ ان واقعات واَحوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم نے زندگی کا ابتدائی حصہ مجاہدہ وریاضتوں میں گذارا تھا۔ اس کے بعد خلق کی رشد وہدایت کی طرف متوجہ ہوے۔ شادی فرمائی، خانقاہ قائم کیا اور طریقۂ فردوسیہ کو ہندوستان ونیپال میں فروغ دیا۔

مخدوم کی شادی: والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد موضع بلوری میں شیخ فاروقی خاندان میں آپ کی شادی ہوئی۔ چار صاحب زادے حضرت مخدوم بہاء الدین، مخدوم منصور، مخدوم شیخ مظفر، مخدوم شمس الدین عرف شاہ سمن رحمہم اللہ اور دو صاحب زادیاں حضرت بی بی نانہو اور بی بی چھنور رحمۃ اللہ علیہا ہوئیں۔ صاحب زادیوں سے نسل نہیں چلی۔ (۱۶)

وصال مبارک: ایک صدی تک علم وعرفان اور عشق ومحبت کی خوشبو بکھیر کر ۱۳۶/ سال کی عمر پاکر ۱۲/ ربیع الآخر ۸۲۴ھ مطابق ۱۶/ اپریل ۱۴۲۱ء کو مالک حقیقی سے جا ملے۔ مادۂ تاریخ وفات: ”محرم حق شعیب ولی“ ہے۔ مزار مبارک شیخ پورہ، بہار میں جامع مسجد سے متّصل مرجعِ خلائق اور فیض بار ہے۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہرباری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

---

(۱)-اخبار الاصفیا در احوال الاولیاء (فارسی) مصنفہ عبد الصمد بن افضل محمد بن یوسف الانصاری۔ قلمی مخطوطہ مرقومہ ۱۸۰۰ء۔ ص ۳۴۔

(۲)-تاریخ دعوت وعزیمت، ص: ۱۷۶۔ ۱۷۸، ابوالحسن ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، ۲۰۰۷ء۔

(۳)-مناقب مخدوم شعیب۔ مولانا عبد الواسع صدیقی بھاگل پوری، مطبوعہ تاج ٹریس، باری روڈ، گیا ۱۹۶۴، ص: ۵۴۔

(۴)-مناقب شعیب، ص: ۱۲۷۔ ۱۲۸، مولانا عبد الواسع صدیقی، بھاگل پور، مطبوعہ: تاج ٹریس، باری روڈ، گیا، ۱۹۶۴ء۔

(۵)-گل فردوس در احوال خواجگان فردوس۔ ص ۲۲۰۔ یہ کتاب مطبع نامی منشی نولکشور لکھنؤ سے مصنف کی حیات میں جنوری ۱۸۸۴ء/ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ میں چھپی ہے میرے سامنے یہی نسخہ ہے۔ اس کا عکسی نسخہ فقیر کے کتب خانہ قادریہ میں محفوظ ہے۔

(۶)-پ: ۲۳، س: صافات، آیت: ۱۴۳۔ ۱۴۴۔

(۷)-الکھف: ۲۵۔

(۸)-گل فردوس در احوال خواجگان فردوس۔ ص ۲۲۴۔ مطبوعہ مطبع نامی منشی نولکشور، لکھنؤ، ۱۸۸۴ء/ ۱۳۰۱ھ

(۹)-مرجع سابق۔ مولانا عبد الواسع صدیقی

(۱۰)-وسیلۂ شرف، مؤلفہ مولانا سید فرزند علی منیری۔ ص ۲۲-۲۳۔ مطبوعہ ۱۳۱۳ھ۔ از مطبع احسن۔ پٹنہ۔ اس کا عکسی نسخہ فقیر قادری کے کتب خانہ قادریہ میں محفوظ ہے۔

(۱۱)-مرآۃ الکونین۔ مولانا غلام نبی فردوسی۔ ص ۳۶۳۔ مطبع نامی منشی نولکشور، لکھنؤ۔

(۱۲)-مناقب شعیب۔ مولانا عبد الواسع صدیقی بھاگل پوری، ص: ۱۴۳، مطبوعہ ٹریس باری روڈ، گیا

(۱۳)-مناقب شعیب، ص: ۱۴۳، بحوالہ گل فردوسی سید شاہ امین احمد فردوسی (وفات: ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۲ء)

(۱۴)-مناقب شعیب۔ مولانا عبد الواسع صدیقی بھاگل پوری، ص:۔۔۔ تاج ٹریس، باری روڈ، گیا، ۱۹۶۴ء۔

(۱۵)- Biographical encylopedia of Sufis: South Asia- N. Hanif, Page:360, Published in 2000 A.D.

(۱۶)-مناقب شعیب، ص: ۱۵۹ Taj Tress, Bari road, Gaya 1964

مولانا محمد رضا خان

حیات وخدمات

محمد عرفان حفیظ عطاری

رئیس الاتقیا مولانا نقی علی خان علیہ رحمۃ الرحمان تاریخِ ہندوستان کا ایک روشن نام ہے۔ جن کی ضیاباریوں سے اہلسنت کے چمن میں اجالے جگمگائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین صاحب زادے عطافرمائے جو تمام زیورِ علم سے آراستہ تھے۔ یہ تینوں بھائی اپنے اب وجد کی طرح راہِ علم پر چلے اور نورِ علم سے عالم کو جگمگ کیا۔ چونکہ اعلیٰ حضرت پر امت کی اصلاح کی اہم ذمہ داری تھی اس لیے دوسرے بھائیوں نے اس معاملے میں ان کے ساتھ یوں تعاون کیا کہ انہیں فکر معاش سے فارغ رکھا تاکہ وہ دینی ذمہ داریوں سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہوسکیں۔ لیکن علمی خانوادے سے تعلق کی بنا پر اپنے اپنے انداز میں اسلام کی خدمت کی کوشش فرماتے رہے۔ افسوس کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بھائی ہونے کے باوجود مولانا مفتی محمد رضا خان علیہ الرحمۃ کی شخصیت پر جامع کام نہیں ہوسکا۔ مختلف کتب سے مراجعت کے بعد آپ کی حیات مبارکہ پر کچھ کام نذر قارئین ہے۔

پیدائش: آپ علیہ الرحمۃ کی ولادت کی تاریخ تو معلوم نہیں ہوسکی۔ ''کتاب معارف رئیس الاتقیا'' کے مطابق مولانا نقی علی خان کے انتقال کے وقت آپ کی عمر ۴ سال تھی۔

(معارف رئیس الاتقیا صفحہ ۳۲ مطبوعہ بریلی)

مولانا نقی علی خان علیہ الرحمۃ کا انتقال ذوالقعدہ ۱۲۹۷ھ بمطابق ۱۸۸۰ء کو ہوا۔ اس اعتبار سے سن ولادت ۱۲۹۳ھ بمطابق ۱۸۷۶ء بنتا ہے۔

نام: آپ علیہ الرحمۃ کا نام عبدالرحمن تھا۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری لکھتے ہیں۔ آپ کا اصل نام محمد عبدالرحمن تھا مگر اپنے نام کے ساتھ جدامجد کا نام رضا استعمال فرماتے۔ اور آپ محمد رضا کے نام سے ہی مشہور ہوئے جبکہ گھریلو نام ننھے میاں بھی معروف ہے۔

(امام احمد رضا اور علمائے لاہور صفحہ ۱۱۷ مطبوعہ پروگریسو بکس لاہور)

آپ کی مہر میں آپ کا نام یوں ملتا ہے محمد رضا خاں قادری عرف محمد عبدالرحمن۔

تعلیم وتربیت: چھوٹی عمر میں والدِ محترم کا سایہ اٹھ جانے کے بعد آپ کی تربیت کی تمام ذمہ داری برادرِ اکبر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر آپڑی۔ جسے انہوں نے بحسن وخوبی نبھایا۔ آپ نے ساری تعلیم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے حاصل کی۔ ''حیات اعلیٰ حضرت' میں مولانا نقی علی خان علیہ الرحمۃ کو بھی آپ کے اساتذہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اور غالباً اس کی کی اتباع میں مولانا شہاب الدین نے بھی رئیس المتکلمین کے شاگردوں میں آپ کا شمار کیا ہے۔

(مولانا نقی علی خان از مولانا شہاب الدین رضوی صفحہ ۴۶)

جس کی ڈاکٹر محمد حسن قادری نے یہ توجیہ بیان فرمائی ہے کہ ممکن ہے رئیس الاتقیا مولانا نقی علی خان نے بسم اللہ خوانی کرائی ہو اور اسی مناسبت سے آپ کو ان کا شاگرد کہا گیا ہو۔

(مولانا نقی علی خان کی حیات وشخصیت صفحہ ۶۷)

اور یہی قرین قیاس ہے۔ کیونکہ ابھی آپ کی عمر صرف چار برس تھی کہ والد مشفق کا وصال ہو گیا تھا۔ واللہ اعلم

تلامذہ: مشہور عالم اور مصنف کتبِ کثیرہ مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمۃ کے سوانح میں یہ درج ہے کہ آپ نے وراثت کے مسائل مولانا محمد رضا خان علیہ الرحمۃ سے سیکھے۔ ''کراماتِ صحابہ'' کے شروع میں مولانا عبدالمبین نعمانی نے آپ کے تعارف میں لکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے برادر خورد حضرت مولانا محمد رضا خان صاحب عرف ننھے میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرائض کی مشق کی۔

(کرامات صحابہ صفحہ ۲۱ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی)

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے بھی ابتداءً آپ سے تعلیم حاصل کی۔

''جہان مفتی اعظم'' میں ہے:

(ایک سوال کے جواب میں مفتی اعظم ہند نے فرمایا) قرآن شریف اعلیٰ حضرت سے بھی پڑھا۔ منجھلے چچا (مولانا حسن رضا خان) اور چھوٹے چچا (مولانا محمد رضا خان) کے علاوہ مولانا (حامد رضا خان) سے بھی پڑھا۔ اس کے بعد فارسی اور عربی بھی انہی حضرات سے پڑھی۔

(جہان مفتی اعظم صفحہ نمبر ۱۰۴ (مفتی اعظم کا سوانحی خاکہ)

بیعت: ایک قول کے مطابق آپ نے سراج الاولیا شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں سے شرف بیعت حاصل کیا تھا۔

(تجلیات تاج الشریعہ صفحہ ۸۹ (تاج الشریعہ کے مورث اعلیٰ و خاندانی پس منظر)

اجازت وخلافت: "تجلیات تاج الشریعہ" میں جناب ڈاکٹر شوکت صدیقی نے لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا تھا۔ (ایضًا)

اگرچہ خلفائے اعلیٰ حضرت کے بارے میں دیگر کتب میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا تاہم ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے پاس اس بارے میں کوئی قلمی یادداشت ہو۔

دینی خدمات: آپ علیہ الرحمۃ کثیر المشاغل شخصیت تھے۔ اس کے باوجود آپ نے مختلف اعتبار سے دینی خدمات سرانجام دیں۔ ان کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

فتاویٰ نویسی: تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے خاندان کے حسب دستور افتا نویسی کا کام بھی سرانجام دیا اور بالخصوص علم الفرائض میں مہارت حاصل کی۔ اور اس کے فتاویٰ اکثر آپ ہی لکھا کرتے تھے۔ مولانا سید شاہ علی رضوی رام پوری لکھتے ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے دارالافتا میں مسائل ترکہ کا انتظام ابتدا سے ہی بہت معقول رہا۔ ابتداءً یہ کام امام احمد رضا قدس سرہٗ کے شاگرد مولانا نواب سلطان احمد خان کیا کرتے تھے۔ جب کام بڑھنے لگا امام احمد رضا قدس سرہٗ کے برادر خورد مولانا محمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کرنے لگے مولانا سلطان احمد خان بریلوی محلہ بہاری پورہ میں رہتے تھے اور مولانا محمد رضا خان بریلوی محلہ سوداگران میں رہتے تھے اس لیے ان کی طرف رجوع بڑھ گیا اور وہ مسائل ترکہ کا مرکز بن گئے۔ پہلے تو بریلی سے ہی مسائل ترکہ آتے تھے، باہر کے لوگوں کو جب معلوم ہوا تو بیرون قصبہ جات کے منا سخے بھی آنے لگے۔ (ایضًا صفحہ نمبر ۱۲۴ (مفتی اعظم کا سوانحی خاکہ)

افسوس کہ مولانا کے فتاویٰ جات الگ سے مرتب نہ ہو سکے۔ اور امت اس فیضیاب نہ ہو سکی۔ اگر وہ بھی الگ سے جمع کیے جاتے تو یقینًا ایک عظیم علمی سرمایہ ہوتا۔

فتاویٰ کی تصدیقات: فتاویٰ نویسی کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے رسائل پر آپ کی تصدیقات بھی ملتی ہیں۔ مولانا شہاب الدین رضوی نے ان رسائل پر تصدیق کا ذکر کیا ہے۔

١.ازالة العار بحجر الكرائم عن كلاب النار مطبوعه اهلسنت وجماعت بريلى ١٣١٦ھ

٢.الهادى الحاجب عن جناز الغائب مطبع اهلسنت وجماعت بريلى صفر ١٣٢٧ھ

٣.اجتناب العمال عن فتاوى الجهال مطبوعه تحفه حنفيه پٹنه ١٣١٦ھ

(مولانا نقی علی خان از مولانا شہاب الدین رضوی صفحہ ۴۶)

علاوہ ازیں مزید ان رسائل پر بھی آپ کی تصدیقات موجود ہیں۔

٤.الدلائل القاهرة على الكفرة النياشرة

٥.تدبير فلاح و نجات و اصلاح

٦.جزاءالله عدوه بابائه ختم النبوة

٧.الجلى الحسن فى حرمة ولداخى اللّبن

تصنیفات: مولانا کی زندگی اگرچہ انتظامی امور میں گزری۔ جس میں آبائی زمینوں کی دیکھ بھال، دارالعلوم کے کاموں میں معاونت وغیرہ شامل رہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ تصنیف کا سلسلہ بھی رہا۔ اگرچہ ابھی ان میں سے کچھ اس وقت دستیاب نہیں۔ صرف آپ کی ایک تالیف کے بارے میں معلوم ہو سکا جس کا نام بارش بہاری بر صدف بہاری ہے اور مطبع اہلسنت وجماعت بریلی سے چھپی ہے۔ ہند کے صوبہ بہار کے مولوی عبدالوہاب نے ندوہ کی حمایت میں لکھا تھا اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ یہ اہلسنت ہی کی تنظیم ہے۔ ان کی تفہیم اور حقیقت حال کو واضح کرنے کے لیے مولانا محمد رضا خان نے یہ کتاب تحریر فرمائی۔ یہ تالیف ایک علاحدہ مضمون کی متقاضی ہے۔ صرف سرورق پر جو عبارت ہے وہ پیش خدمت ہے۔

الحمدللہ یہ مبارک رسالہ جس میں مولوی عبدالوہاب بہاری کی چوورقی (ندوۃ العلما، اہلسنت کی مقدس مجلس ہے) کا ظاہر و باہر رد اور خود ندوی کے اقرارات و اظہارات سے قولاً فعلاً (اس کے بعد مزید ایک

لفظ ہے جو پڑھا نہیں جارہا) ہر طرح ندوی کے مخالفِ اہلسنت کا روشن وبین ثبوت موکد ہے۔مسمی بنام تاریخ بارش بہاری بر صدف بہاری ۱۳۱۵ھ مصنف جناب مولانا مولوی عبدالرحمن محمد رضاخان قادری برکاتی ابوالحسینی بریلوی۔

طباعت میں معاونت: مزید برآں جب تک آپ بریلی شریف میں مقیم رہے دیگر مشاغل کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی کتب کی اشاعت کے لیے صدر الشریعہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کے ساتھ پریس کے کاموں میں معاونت بھی فرماتے ۔ امیر اہلسنت مولانا الیاس قادری مدظلہ العالی اپنے رسالے میں صدر الشریعہ کے بارے میں آپ کا فرمان نقل کرتے ہیں۔

حضرت ننھے میاں مولانا محمد رضا خان علیہ رحمۃ اللہ الحنان فرماتے تھے کہ مولانا امجد کام کی مشین ہیں۔اور مشین بھی ایسی جو کبھی فیل نہ ہو۔ (تذکرہ صدر الشریعہ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ صفحہ ۱۷)

دیگر ذمہ داریاں: مولانا نقی علی خان علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد ابتداءً اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے بڑے بھائی ہونے کے ناطے زمینوں وغیرہ کے معاملات کی نگہداشت فرمائی لیکن فطرتاً ان امور میں دلچسپی نہ ہونے کے باعث یہ سارا کام مولانا حسن رضا علیہ الرحمۃ نے سرانجام دیا۔انک ے انتقال کے بعد یہ ذمہ داری مولانا محمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے خوب نبھائی۔ مولانا حسنین رضا خان رقم طراز ہیں

۱۳۲۶ء میں جب ان کی (مولانا حسن رضا خان علیہ الرحمۃ) کی وفات ہوگئی تو ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد رضا خاں صاحب آئے ۔انھوں نے بھی بہت خدمت کی سارے علاقے کی تحصیل کرکے حسبِ دستورِ قدیم، اعلیٰ حضرت قبلہ کا روپیہ اپنی بڑی بھاوج کی خدمت میں پیش کردیتے اور غلہ وایندھن وغیرہ کا معقول انتظام کرتے ۔علاقے کے کام کی وجہ سے انہیں مولانا حسن رضا خاں صاحب جیسی خدمات کا موقع ملا۔انہوں نے اپنے انتظام سے اعلیٰ حضرت کے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں کی شادیاں کی۔اور مولانا حسن رضا خاں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے ایک بیٹے اور تین بیٹیوں کی شادیاں اپنے اہتمام سے کی تھیں۔اعلیٰ حضرت قبلہ کی اولاد کی سات شادیاں ہوئیں ۔نکاح اعلیٰ حضرت نے پڑھائے ۔ان کے دونوں بھائیوں نے انہیں دنیا کی چپقلش میں نہ پڑنے دیا حالاں کہ ان کی دنیا کافی بڑی تھی۔

(سیرت اعلیٰ حضرت از مولانا حسنین رضا خاں صفحہ ۵۷ مطبوعہ برکاتی پبلشرز کراچی)

باوجود اس کے کہ مولانا محمد رضا خاں کو بریلی چھوڑ کر ضلع بدایوں کے علاقے کرتوئی جانا پڑتا۔جہاں آپ کی آبائی زمینیں تھیں۔وہاں جاکر بھی برابر علمی مشاغل کے لیے اعلیٰ حضرت سے رابطہ میں رہتے۔ فتاویٰ رضویہ میں چند استفتا بھی درج ہیں جن کے سائل مولانا محمد رضا خان ہیں۔ایک استفتا جو ۶ ذوالحجۃ الحرام ۱۳۲۹ھ کو ضلع بدایوں موضع کرتوئی سے لکھا گیا ہے۔اس کے شروع میں مولانا محمد رضا خان اپنے برادر مکرم کے لیے لکھتے ہیں:

بحضور قبلہ وکعبہ دارین مدظلہم العالی بجاہ النبی الرؤوف الرحیم ﷺ۔

جواب کے شروع میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے جو الفاظ اپنے بھائی کے لیے استعمال کیے ہیں ان میں بھائیوں کی آپس میں بے پایاں محبت کا اظہار ہوتا ہے ۔جانِ برادر بلکہ از جان بہتر مولوی محمد رضا خاں سلمہٗ۔(فتاوی رضویہ جلد ۲۰ صفحہ ۷۴۴ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

جلد نمبر:۲۰/صفحہ نمبر:۲۰۵/مسئلہ نمبر:۶۲/تا۶۵/میں مستفتی مولانا محمد رضا خان علیہ الرحمۃ ہیں اور موضوع ہے سود۔

یوں ہی جلد:۱۵/صفحہ نمبر:۲۶۶/مسئلہ نمبر:۳۰/۴۳/بھی مولانا محمد رضا خان کی طرف سے پوچھا گیا ہے ۔یہاں آپ کے نام کی جگہ حضرت ننھے میاں مدظلہم لکھا گیا ہے اور سن ہے ۱۳۳۹ھ ذوالقعدۃ الحرام اور موضوع نماز کے دوران قرآت میں اشتباہ کی صورت ہے۔

جلد نمبر:۱۷/مسئلہ نمبر:۸۶/ہے اور ۲۳/ذوالحجۃ ۱۳۳۳ھ تاریخ درج ہے اور نام ننھے میاں۔

جلد:۲۲/مسئلہ نمبر:۱۱۶/سوال عورت کی ملازمت کے بارے میں ہے اور سائل ننھے میاں ہیں۔

خصائل وشمائل: علم سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ زیورِ عمل سے بھی مزین تھے۔جو ایک عالم ربانی کی شان ہے۔آپ کی وفات پر اس وقت کے مؤقر اخبار الفقیہ امرتسر نے جو تبصرہ کیا اس کا ایک بند آپ کے تقویٰ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اخبار لکھتا ہے۔

حضرت موصوف کے تقدس وفضائل کے اندازے کے لیے غالبًا اتنا لکھنا کافی ہوگا کہ سنِ شعور سے عمر بھر نماز جماعت سے ادا فرمائی اور اس دنیا کو خیر آباد کہتے ہوئے آپ پر کوئی نماز روزہ قضا نہیں۔

(الفقیہ امرتسر بحوالہ حضرت مولانا محمد رضا بریلوی مطبوعہ انجمن ضیائے طیبہ صفحہ ۱۴)

آپ کے اعلیٰ کردار کی ایک جھلک "سیرت اعلیٰ حضرت بزبان صدر الشریعہ" مرتبہ مولانا حافظ عطاء الرحمن قادری صاحب سے ظاہر

ہے۔جس میں بزبان صدر الشریعہ درج ہے اعلیٰ حضرت کی موجودگی میں ان کی مسجد میں صرف چار اشخاص نمازیں پڑھایا کرتے تھے ۔ مولانا حامد رضا خان خلف اکبر، مولانا محمد رضا خان برادرِ خورد، حافظ یقین الدین صاحب (یہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ بھی تھے اور قرآن پاک بھی رمضان میں سنایا کرتے تھے) اور یہ فقیر (یعنی مولانا امجد علی اعظمی)۔

(تذکرہ اعلیٰ حضرت بزبان صدر الشریعہ صفحہ ۳۲)

اعلیٰ حضرت جیسے محتاط فی الدین کی موجودگی میں اہم العبادات نماز کی امامت ایک اعزاز بھی ہے اور دینی امور میں انکی مہارت پر دال بھی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثیر مال و دولت سے نوازا تھا جسے آپ نے اپنی بیٹی کو عطا فرمادیا تھا۔

دیگر علمی مشاغل کے علاوہ مولانا نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ساتھ گزارا۔ اعلیٰ حضرت کی معیت میں سفرحج کی سعادت بھی پائی اور وہاں کتاب الدولۃ المکیہ کی ترتیب میں حصہ لیا۔

(تجلیات تاج الشریعہ صفحہ ۸۹ (تاج الشریعہ کے مورث اعلیٰ و خاندانی پس منظر)

حتی کہ اعلیٰ حضرت کے وصال کے وقت بھی آپ خدمت میں حاضر تھے ۔ بلکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو غسل دینے میں مولانا محمد رضا خان علیہ الرحمۃ بھی شامل تھے۔ (وصایا شریف صفحہ نمبر ۲۸)

دونوں بھائیوں کی آپس میں محبت بھی مثالی تھی۔ ڈاکٹر سراج احمد بستوی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

ایک مرتبہ (مولانا محمد رضا خان) نے اپنی بیوی کو سونے کے کڑے بنوادیے۔ کسی چغل خور نے امام احمد رضا سے شکایتاً ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اگر ننھے میاں نے یہ کڑے اپنے مال سے بنوائے ہیں تو مجھے خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا مال عطا فرمایا ہے اور اگر میرے مال سے بنوائے ہیں تو مجھے خوشی ہے کہ ننھے میاں نے میرے مال کو اپنا مال سمجھا۔

(امام احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری صفحہ ۳۷)

شادی و اولاد: مولانا مفتی محمد رضا خان صاحب کی شادی سکینہ بیگم دخترِ غلام علی خاں ساکن خواجہ قطب بریلی سے ہوئی۔ شادی کے موقع پر مولانا حسن رضا خاں نے سہرا لکھا۔ جس کا مقطع ایک بھائی کی اپنے بھائی سے محبت کا اظہار کررہا ہے۔

اے حسن خوبیِ قسمت سے یہ دن ملتا ہے
کہ کہے اپنے برادر کا برادر سہرا

(حضرت مولانا محمد رضا بریلوی مطبوعہ انجمن ضیائے طیبہ صفحہ ۹)

آپ کی اولاد نرینہ کوئی نہیں تھی صرف ایک ہی صاحبزادی فاطمہ بیگم تھیں۔ جنہیں گھر میں چھوپی کہا جاتا تھا۔ اور اہلِ عقیدت انہیں مادرِ اہلسنت اور چھوٹی بی صاحبہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کا نکاح حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ سے ہوا تھا۔ "حیاتِ اعلیٰ حضرت' میں ہے حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خانصاحب کی شادی چھوٹے چچا جناب مولانا محمد رضا خانصاحب کی اکلوتی صاحبزادی سے ہوئی اسی لیے مولانا محمد رضا خانصاحب عرف ننھے میاں نے انکو اپنی اولاد کی طرح رکھا اور شادی کے بعد ان کا رہنا سہنا سب چچا جان کے مکان پر رہا۔ اور اس وقت تک وہیں قیام فرما ہیں۔

(حیات اعلیٰ حضرت صفحہ نمبر ۱۸ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر)

وفات: مولانا مفتی محمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے ۱۵/ اکتوبر ۱۹۳۹ بروز جمعرات وصال فرمایا۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد حسن قادری نے اپنے پی ایچ ڈی مقالے میں نقل کیا ہے۔

(مولانا نقی علی خان کی حیات و شخصیت صفحہ ٦٧)

معاصر اخبارات و جرائد میں آپ کی وفات کی خبر شائع ہوئی ۔ الفقیہ امرتسر سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

تین بجے حضرت مرحوم کے مستقر سے جنازہ کمال احترام سے اٹھایا گیا۔ مسلمانوں کا اس قدر ازدحام تھا کہ کاندھا دینے والوں کو پلنگ تک پہنچنا دشوار تھا۔ نماز جنازہ حضرت مولانا مولوی عبدالعزیز خاں صاحب محدث نے پڑھائی۔ حضرت صدرالافاضل مولانا الحاج حکیم سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، حضرت مولانا محمد امجد علی قادری رضوی، حضرت مولانا مولوی عبدالعزیز خاں محدث، حضرت مولانا محمد احسان الحق نعیمی بہرایچی، حضرت مولانا سردار احمد قادری، حضرت مولانا احمد یار خاں ایسے فضلائے عظام وعلمائے کرام نے اذانیں پڑھیں۔

(حضرت مولانا محمد رضا بریلوی مطبوعہ انجمن ضیائے طیبہ صفحہ ۱۴)

آپ کو اپنے آبائی قبرستان میں جانبِ شرق، لبِ سڑک سپردِ خاک کیا گیا۔ جس پر بعد میں مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے مزار تعمیر کروایا۔

(مولانا نقی علی خان کی حیات و شخصیت صفحہ ٦٧)

☆☆☆

نکسلیوں کی تحریک دہشت گردی کیوں نہیں؟

صابر رضا رہبر مصباحی

This file originated at Vector4Free.com and is distributed under the Creative Commons License (CC BY 4.0). For more info visit CreativeCommons.org/licenses/by/4.0/

دومارچ ۱۹۶۷ء کو مغربی بنگال کے نکسل باڑی سے سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اٹھنے والی نکسلی تحریک نے چھتیس گڑھ میں کانگریس کی ریلی پر حملہ کرکے ایک بار پھر اپنی سنگینی کا احساس کرا دیا ہے۔اس حملہ میں کانگریس کے ریاستی صدر نند کمار پٹیل اور سابق وزیر مہندر کرما سمیت ۲۴/لوگوں کی موت ہوگئی جب کہ درجنوں افراد سنگین طور پر زخمی ہوگئے۔ نکسلیوں کے ذریعہ بے گناہوں کے خون سے اپنی تشنگی بجھانے کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں تھا۔ اب تو آئے دن پولیس فورسز کے جوان یا پھر پولیس کا مخبر ہونے الزام میں عام آدمی نکسلیوں کے خونی پنجوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ہاں !کسی سیاسی پارٹی کی ریلی پر اس طرح کا حملہ نکسلی تشدد کی تاریخ کا یہ پہلا واقعہ ضرور ہے؛ ورنہ اسی چھتیس گڑھ میں ۲۰۱۰ء میں نکسلیوں نے سیکوریٹی فورسیز کی ٹیم پر حملہ کرکے ۷۶/جوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس سے قبل ۲۰۰۷ء میں چھتیس گڑھ ہی پولیس کے ایک ناکہ پر حملہ کرکے ۵۵/پولیس اہلکار وں کو ہلاک کردیا تھااور ڈانتے واڑہ میں نکسلیوں حملے میں ۲۴/افراد کی موت ہوگئی تھی جن میں عام لوگ بھی شامل تھے جبکہ اسی سال جھارکھنڈ میں کے لاتیہار میں نکسلیوں اور سیکورٹی فورسز کے درمیان تصادم میں جن پانچ فوجیوں کی لاشیں برآمد ہوئی۔ان میں سے تین کی لاشوں میں ماؤنواز باغیوں نے دھماکہ خیز مواد لگادیا تھااور جب ایک فوجی کی لاش ہٹائی گئی تو اس میں زبردست دھماکہ ہوگیا اس لاش کے ساتھ پانچ دیگر افراد کی لاشوں کے بھی پرخچے اڑ گئے۔ دیگر لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے رانچی کے سرکاری اسپتال لے جایا گیا جہاں پوسٹ مارٹم کے دوران جوانوں کی لاشوں سے دھماکہ خیز مواد برآمد ہوا،نکسلیوں نے بربریت کی ساری حدیں پار کرتے ہوئے جوان کے پیٹ چیر کر اس میں پریشر بم نصب کردیا تھا تاکہ آسانی کے ساتھ لاش اٹھانے والے افراد کو موت کی نیند سلادی جائے۔نکسلیوں کے اس انسانیت سوز حرکت کے باوجود حقوق انسانی تنظیموں کے کارکنان اور حکومت کا ان کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جانا سمجھ سے بالاتر ہے۔

ہندستان میں نکسل زم کا مسئلہ تقریباپچاس برسوں پر محیط ہے اور اس کی جڑیں کافی گہری ہوچکی ہیں۔ بہار، جھارکھنڈ، مغربی بنگال، چھتیس گڑھ،اور آندھرا پردیش جیسی ریاستوں کے بیشتر اضلاع میں اس نے اپنی مضبوط پکڑ بنانے میں کامیابی حاصل کرلی ہے۔

جب دومارچ ۱۹۷۶ء مغربی بنگال کے نکسل باڑی میں کانو سانیال نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ زمیندارانہ نظام کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور ۲۴/مارچ کو کسان سبھا کے سربراہ جنگل سنتھال کی قیادت میں زمینداروں پر حملہ کیا گیا تو اس وقت انہیں پکڑنے گئی پولیس ٹیم کو تیروکمان سے حملہ کرکے ہلاک کردیا گیا تھا لیکن وقتی طور پر پولیس کو اسے کچلنے میں کامیابی حاصل ہوگئی تھی۔ مگر ابتدا سے ہی اسے ملنے والی سماجی وسیاسی حمایت نے پھلنے پھولنے کا بھرپور موقع دیا اور آج شمال ومشرقی ہند کی ریاستوں میں وہ اپنی مضبوط گرفت بنانے میں کامیاب ہوگئی ہے۔اس دوران سکیورٹی فورسز اور ماؤنواز باغیوں یا نکسلیوں کے درمیان کئی بار خوں ریز مقابلے ہوئے جن میں سینکڑوں افراد ہلاک ہو گئے۔

یوں تو نکسلیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ زمین کے حقوق اور وسائل کی تقسیم کی جدوجہد میں مقامی لوگوں کی نمائندگی کرتے ہیں اور وہ ان قبائلیوں اور غریب لوگوں کے لیے لڑرہے ہیں جنہیں حکومت نے کئی دہائیوں سے نظر انداز کرر کھا ہے۔دراصل ان کا مقصد ’ایک کمیونسٹ سماج‘ قائم کرنا ہے۔اسی مقصد کے تحت نکسلیوں نے ۲۰۰۹ء میں مغربی بنگال کی راجدھانی کولکاتہ سے محض ۲۵۰/کلومیٹر دور لال گڑھ ضلع پر قبضہ کرلیا تھا جو کئی ماہ تک قائم رہا۔نکسلیوں نے لال گڑھ کو ہندستان کا پہلا ’آزاد علاقہ‘ قرار دیا تھا لیکن فورسیز اسے بھی کچلنے میں کامیاب رہی۔

ہمیں سخت حیرت ہوتی ہے ہندستانی سماج کے اس دوہرے نظریے پر کہ جب کوئی غیر ملکی کے ذریعہ ہمارے جوان کے سر کاٹ لینے کی خبر اڑتی ہے تو ہم اسے انسانیت مخالف اور درندہ صفت انسان کے نام سے موسوم کرتے ہوئے اس کے خلاف فی الفور فوجی کاروائی کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جب ماؤنواز ہمارے درجنوں فوجی جوانوں کی لاشوں کے چیتھڑے اڑاتا ہے،ان کے پیٹ چیر کر اس میں دھماکہ خیز مادہ

رکھ دیتا ہے پھر بھی نکسلیوں کے خلاف نہ توحکوت سخت رخ اختیار کرتی ہے اور نہ ہی ہندستانی سماج کے زندہ دل افراد کا کلیجہ تڑپتا ہے۔ جب کہ یہ حقیقت ہے کہ جب تک انسان اپنے گھریلو تشدد سے نہ نپٹ لے بیرونی حملوں کا مقابلہ مشکل ہوتا ہے۔

نکسلیوں کے خلاف فوج تعینات کرنے میں خود حکومت پس وپیش میں نظر آتی ہے، اس کی وجہ نکسلیوں کو سماجی سطح وسیاسی سطح پر ملنے والی حمایت ہے لیکن کیا نکسلی جوکچھ کررہے ہیں وہ سب کچھ دہشت گردانہ کاروائیوں کے زمرے میں نہیں آتا ہے؟ اغوا، رنگداری، قتل، لوٹ اور سرکاری عمارتوں وسڑکوں کی تعمیر میں لگی جے سی بی مشینوں کو آئے دن آگ حوالے کرنا وغیرہ یہ کام ہی تو نکسلی کررہے ہیں پھر انہیں دہشت گردکیوں نہیں قرار دیاجاتا اوران کے خلاف سخت کاروائی کوناروا تصور کیوں کر سمجھا جاتا ہے۔

وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ کا وہ بیان مجھے اچھی طرح یاد ہے جب انہوں نے دانتے واڑہ میں نکسلیوں کے ذریعہ ۷۶ر پولیس اہلکاروں کی ہلاکت کے کچھ دنوں بعد کہا تھا کہ نکسلی ہمارے اپنے ہیں اور حکومت ان سے بات چیت کرنے کے لیے تیار ہے۔ حکومتی سطح پر نکسلیوں سے مذاکرات کی کوشش کی بھی گئی مگر اس کا نتیجہ صفر رہا۔ نکسلیوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ چھتیس گڑھ میں کانگریس کی ریلی پر حملہ کے بعد مرکزی وزیر داخلہ سشیل کمار شنڈے جس دن نکسلیوں کے خلاف سخت کاروائی کرنے کا اعلان کررہے تھے عین اسی وقت نکسلی اسی چھتیس گڑھ میں تقریباً دو گھنٹے تک گاڑیوں کی تلاشی لیتے رہے۔ جہاں وہ گاڑیوں کو روک کر تلاشی لے رہے تھے وہاں سے محض ۶ر کلومیٹر کی دوری پر فوجی کیمپ ہے۔ وہ تلاشی کے دوران جاننا چاہ رہے تھے کہ کہیں کوئی پولیس اہلکار تو اس میں نہیں گزر رہا ہے۔

سکیورٹی فورسز اور نکسلیوں کے درمیان ہونے والے تصادم میں دوطرفہ نقصان عام لوگوں کا ہی ہوتا ہے یعنی عوام فورس اور نکسلی دونوں کی گولیوں کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔ جہاں ایک طرف سکیورٹی فورسز پر الزام لگتا ہے کہ انہوں نے نکسلی کہہ کر عام لوگوں کو نشانہ بنایا ہے، وہیں دوسری جانب ماؤنوازوں پر الزام ہے کہ انہوں نے بھی پولیس کا مخبر کہہ کر بہت سے بے قصور افراد کی زندگی چھین لی ہے۔ گیا میں گزشتہ دنوں نکسلیوں نے ایک مزدور کا اغوا کرکے اپنی خود ساختہ عدالت میں پولیس کا مخبر ہونے کے جرم میں اس کو سزائے موت سنائی۔ اس کی بیوی نکسلیوں کے پاؤں پڑکر اپنے شوہر کی زندگی کی بھیک مانگتی رہی مگر اس کی آنکھوں کے سامنے نکسلیوں نے اس کا سہاگ اجاڑ دیا اور ۱۲ر جون ۲۰۱۳ء کو بہار کے جموئی میں کندن ہالٹ کے قریب ٹرین پر تابڑ تابڑ فائرنگ کرکے چھ افراد کی زندگی چھین لی۔

نکسلیوں کے اس قدر پھلنے پھولنے کی سب سے بڑی وجہ اس کی سیاسی حمایت ہے۔ اگر اپوزیشن یہ کہتی ہے کہ نکسل زم کانگریس کی دین تو اسے صرف اپوزیشن کا الزام کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ تاریخی حقائق بھی اس کی گواہی دیتے ہیں ۔

۱۹۸۲ء میں تیلگو دیشم پارٹی کے لیڈر این ٹی راماراؤ نے سب سے پہلے نکسلیوں کی حمایت کرتے ہوئے کہا تھا کہ نکسلی سچے دیش بھگت ہیں حکومت نے انہیں سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ انہوں نے وزیر اعلیٰ بننے کے بعد نکسلیوں کے خلاف کاروائی کرنے سے پولیس کو منع کردیا تھا۔ ان کے زمانے میں نکسلیوں کو اپنی جڑیں مضبوط کرنے کے سب سے زیادہ مواقع فراہم کیے گئے۔ جب کہ ۱۹۸۹ء میں کانگریسی لیڈر ایم چیننا ریڈی، این ٹی آر پر سبقت لے گئے اوران سے ایک قدم آگے بڑھ کر تیلگو دیشم کو شکست دینے کے لیے انتخابات میں کھل کر نکسلیوں سے حمایت کا مطالبہ کرڈالا اور وہ جیت بھی گئے۔ مسٹر ریڈی کے وزیر اعلیٰ بننے کے بعد حیدرآباد میں نکسلیوں نے ایک عظیم الشان جلوس نکالا تھا جو نکسلی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا جلوس تھا۔ آسام میں بوڑو دہشت گردی کے ساتھ کم وبیش یہی صورت حال ہے۔

آزاد ہندستان میں سب سے زیادہ عرصہ تک حکومت کرنے والی سیاسی جماعت گانگریس ہے، اگر وہ نکسلیوں کے تیئں ہمدردانہ جذبہ نہیں رکھتی توکیا آج انہیں اپنے سینئر لیڈروں کی قربانی دینی پڑتی۔

یہ کتنی عجیب بات ہے اگر کہیں دہشت گردانہ واقعہ ہوتا ہے یا پھر دھماکہ خیز مادہ برآمد ہوتا ہے توہماری خفیہ ایجنسیاں اور پولیس اس سے جڑے مسلم نوجوانوں کی نشاندہی کرنے میں سخت تیزی کا مظاہرہ کرتی ہیں حالاں کہ اس سے ان کا کوئی حقیقی تعلق بھی نہیں ہوتا ہے جب کہ نکسلی آئے دن قانون وانسانیت کو بازیچہ اطفال بناتا رہتا ہے؛ فورسیز اور عام انسانوں کے لہو سے سرعام ہولی کھیلتا نظر آتا ہے پھر ہماری انٹلی جنس ایجنسیاں کو ان کے خلاف نہ توکوئی پختہ ثبوت مل پاتا ہے نہ انہیں ان کے ٹھکانے کا علم ہوپاتا ہے۔

نکسلی مسئلہ حل صرف یہی نہیں ہے کہ ان کے خلاف طاقتوں کا استعمال کیاجائے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ضروری ہے کہ ان کے قابل التفات مطالبات پر غور وفکر بھی کیاجائے ورنہ غربت واستحصال کی کوکھ سے جنم لینے والی یہ تحریک کبھی بھی خطرناک شکل اختیار کرسکتی ہے، نیپال میں اس نے کس طرح اقتدار پر قبضہ کیا؛ یہ کسی پر مخفی نہیں ہے وہ کتنے خطرناک لوگ ہیں اس کا مظاہرہ وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ ☆☆☆

فکر و نظر

رمضان المبارک اور ہمارے اعمال

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں ۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں ۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں ۔ از : مبارک حسین مصباحی

جولائی ۲۰۱۷ء کا عنوان	مدارسِ اسلامیہ کے فارغین اور ان کی تدریسی ذمہ داریاں
اگست ۲۰۱۷ء کا عنوان	اردو شاعری میں تصوف کی جلوہ ریزیاں

رمضان المبارک اور اس کے فضائل

مولانا محمد عرفان قادری، استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، شاہی مسجد، بڑا چاند گنج، لکھنؤ

رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس کی عظمت و فضیلت کے بیان میں قرآن کریم کی متعدّد آیات اور کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں ۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۸۵ر میں ہے : مفہوم

”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے“ (کنزالایمان)

یہ رمضان جس کے دن بھی قابل قدر ہیں اور جس کی راتیں بھی اپنی روحانی حقیقتوں کے اعتبار سے دوسری تمام راتوں سے نہایت برتر و بہتر ہیں اگر غور کیا جائے تو یہ بات حق بجانب ہوگی کہ ماہ رمضان دنیائے انسانیت کے لئے کسی عظیم اور بے نظیر تحفہ سے کم نہیں ۔ یہ وہ عظیم الشان مہینہ ہے جس کی عظمت کے مقابلہ میں زمانہ بھر کی عظمتیں ہیچ ہیں ، اس کے ایک دن کا مقابلہ انسان کی زندگی کے تمام ایام نہیں کر سکتے ہیں ۔ ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ : جس نے ماہ رمضان کا ایک روزہ بھی قصداً بلا عذر شرعی چھوڑ دیا وہ اگر زندگی بھر اس ایک روزہ کی ادائیگی کے لئے روزہ رکھتا رہے تو بھی اس ایک دن کی تلافی ممکن نہیں ہے“ ۔
(ترمذی، ابوداؤد)

روزہ جو اس مہینہ کی خاص شناخت اور خاص عبادت ہے اسلام کا وہ بنیادی رکن ہے جس پر ایمان لانے میں ایک انسان کے لیے نجات کی ضمانت ہے ۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے ۔ (۱) توحید و رسالت کا اقرار (۲) نمازوں کا قیام (۳) زکوٰۃ کی سالانہ ادائیگی (۴) ماہ رمضان کے روزے (۵) حج بیت اللہ (جو استطاعت رکھتا ہو) (بخاری و مسلم)

روزہ ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے ، اگر کوئی شخص اس کی فرضیت کا قولاً انکار کرتا ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور اگر قولاً تو نہیں البتہ عملاً انکار کرتا ہے تو اس کا یہ عمل اور روزہ کو قصداً چھوڑنا فاسق و فاجر ہونے کی علامت اور اللہ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے ۔ حدیث پاک سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس مہینہ میں مومن کے اعمال کا اجر بڑھا دیا جاتا ہے کسی نفل کی ادائیگی پر فرض کا ثواب اور کسی فرض کی ادائیگی پر ستر فرائض کا اجر و ثواب دیا جاتا ہے ۔

ماہ رمضان جیسا مقدس مہینہ کہ انسان اگر اس کی قدر کر لے تو اس کی مغفرت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا ہے ۔ لیکن افسوس کہ مغربی تہذیب نے آج مسلمانوں کو اتنا مرعوب کر لیا ہے اور وہ اس کے اتنے دلدادہ ہو گئے ہیں کہ اب ان کے نزدیک کسی عمل کو کر لینا کوئی بڑی

خوبی کی بات نہیں ہے اور اس کا ترک کرنا کوئی بڑا وبال نہیں ہے ۔ بالخصوص نئی نسل کی نگاہ میں شریعت اور اس کے احکامات ، دین اور اس کے اعمال کی کوئی اہمیت نہیں ہے ، مغربی تہذیب اور سائنسی ترقیات نے آج مذہب کو انسان کی ذاتی پسند کی حیثیت سے پیش کر کے مذہب سے بہت دور کر دیا ہے ۔ حالانکہ دین کی حیثیت انسان کی زندگی میں ذاتی پسند کی نہیں ہے بلکہ ذاتی ضرورت کی ہے ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ایمان اور صلہ کے یقین کے ساتھ ماہ رمضان کے مکمل روزے رکھے تو اس کے پچھلے تمام صغیرہ گناہ معاف کر دئے جائیں گے ۔

(بخاری ومسلم)

یہ حدیث صاف اور واضح طور پر بتلا رہی ہے کہ دین کو انسان کی ذاتی پسند کی حیثیت نہیں بلکہ ذاتی ضرورت کی حیثیت حاصل ہے کیونکہ دین کے ہی احکامات پر عمل کرنے میں انسان کی نجات مضمر رکھی گئی ہے ۔ یہ بھی اس مہینہ کی ہی خصوصیت ہے کہ خوابیدہ اور غافل انسان کو ہر رات پکارا جاتا ہے اور اس کے لئے ماحول کو بے انتہا ساز گار بنا دیا جاتا ہے تاکہ اپنے پروردگار کو خوش کرنے میں اسے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو سرکش شیاطین اور ضدی وڈھیٹ قسم کے تمام جنات ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں کس دئے جاتے ہیں (تاکہ یہ اپنی آزادی کے سبب اللہ کے بندوں کو بہکا نہ سکیں) اور جہنم کے تمام دروازے بند کر دئے جاتے ہیں چنانچہ کوئی دروازہ کھلا نہیں چھوڑا جاتا ہے اور جنت کے سارے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور کسی بھی دروازہ کو بند نہیں رہنے دیا جاتا ہے (تاکہ انسان ہر طرح کے عمل سے اپنے رب کو راضی کر لے اور خود کو ہر دروازہ سے پکارے جانے کا مستحق بنا لے) اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے نیکی اور خیر کے طلب گار چل آگے بڑھ اور اے شر کے متلاشی چل پیچھے ہٹ اور جہنم سے بے شمار لوگوں کو رہائی دی جاتی ہے اور یہ سلسلہ رمضان کی ہر رات جاری رہتا ہے ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان شریف میں رب تعالیٰ کی رحمت و نوازش کس طرح اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور کس کس طرح اسے بلا بلا کر اعمال خیر ، روزہ ، تراویح ، تہجد ، تلاوت ، ذکر و تسبیح ، صدقہ و خیرات اور معاشرتی زندگی کے دیگر نیک اعمال کے ذریعہ اپنے لئے ذخیرہ کرنے کی اسے دعوت دی جاتی ہے اور شیاطین کو قید کر کے ماحول کو اس کے حق میں کتنا ساز گار بنا دیا جاتا ہے ۔ اب اگر اتنے کثیر اہتمام اور پروردگار کی رحمت عام سے بھی کوئی فیضیاب نہ ہو اور ان زریں لمحات کو غفلت و بے حسی کے ساتھ گزار دے تو شاید اسے زیادہ محروم القسمت کوئی اور نہ ہوگا ۔

اس مختصر سی تحریر کی روشنی میں ماہ رمضان کی اہمیت و فضیلت اجاگر ہوتی ہے ساتھ ہی ان غلطیوں اور خامیوں کی نشاندہی بھی ہوتی ہے جو اس ماہ میں امت سے سرزد ہوتی ہیں ۔ عوام کے اندر شریعت پر عمل کرنے کا جذبہ دیگر مہینوں کی بہ نسبت ماہ رمضان المبارک میں کچھ زیادہ ہی پایا جاتا ہے اس لئے رمضان المبارک میں اصلاح معاشرہ کا کام بہتر طریقے پر انجام دیا جا سکتا ہے اور اس مہینے میں علماء و مبلغین معاشرہ کی اصلاح میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں ، اس سلسلے میں بھی سیرت نبوی سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے ۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن تقریر کی اور آپ نے صحابہؓ کرام کو مخاطب کر کے ان کے دلوں میں ان کلمات کے ذریعہ رمضان المبارک کی اہمیت کو اجاگر فرمایا "اے لوگوں تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے ، ایک مبارک مہینہ جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بھی زیادہ افضل ہے " ۔ (یہ حدیث طویل ہے میں نے بطور نمونہ چند کلمات کا مفہوم نقل کیا ہے) علما و ائمہ اور مبلغین حضرات کو بھی چاہیے کہ نہایت نرمی و محبت کے ساتھ وعظ و تقریر کے ذریعہ لوگوں کو ماہ رمضان کے فضائل و برکات سے روشناس کرائیں اور اس ماہ میں سرزد ہونے والے گناہوں کے خطرناک انجام سے بھی باخبر کریں ۔ آج کے تعلیم یافتہ دور میں بھی بہت سے ایسے مسلمان ہیں جو شریعت کی موٹی موٹی باتوں سے بھی ناواقف ہیں ، ایسے لوگوں کی رہنمائی کے لئے ہر مسجد میں ظہر و عصر کی نماز کے بعد کچھ وقت مخصوص کیا جائے جس میں شرعی مسائل بالخصوص طہارت ، نماز ، روزہ ، تراویح وغیرہ کے ضروری مسائل بیان کیے جائیں ۔ تلاوت قرآن کی اہمیت ہر کسی کو معلوم ہے لیکن آج موبائل اور انٹرنیٹ کی وجہ سے قرآن پاک کی تلاوت سے جس قدر غفلت برتی جاتی ہے وہ ایک لمحہ فکریہ ہے ۔ دوسری طرف ہم یہ تسلیم

کرتے ہیں کہ قرآن عظیم ایک دستور حیات ہے لیکن عوامی سطح پر تفہیم قرآن کی جانب ابھی تک کوئی خاص پیشرفت نہیں ہوئی ہے۔ایسی صورت میں تلاوت قرآن کی جانب بھی لوگوں کی توجہ مبذول کرائی جائے اور نہ صرف تلاوت بلکہ قرآن کا ترجمہ وتفسیر پڑھنے کی بھی ترغیب دلائی جائے بلکہ ہر دن تراویح میں جتنا قرآن پڑھا جائے اس کا خلاصہ پیش کرنے کی مہم بھی با ضابطہ شروع کی جائے۔ حافظ تراویح یا امام صاحب یہ خدمت انجام دیں تو بہتر ہے ورنہ اس کام کے لیے ماہر علمائے کرام کی خدمات حاصل کی جائیں ،قرآن کریم سے مسلمانوں کا تعلق مضبوط کرنے کے لئے یہ نہایت ہی اہم اور ضروری کام ہے۔

* * * * * *

رمضان کا روزہ:احکام وفضائل

2-B-5/317-L،نارتھ کراچی،پاکستان، E-mail: mothereilmi@yahoo.com

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (سورہ بقرہ:۱۸۵)

”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا، لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں، توتم میں جو کوئی اس مہینہ کو پائے ضرور اس کے روزے رکھے!“

مشکوٰۃ شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شعبان المعظم کے آخری روز حضور اکرم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا کہ:

”اے لوگو!تم پر وہ برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے جس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر ہے (یہ وہ مہینہ ہے)جس کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی رات کا قیام نفل بنایا ہے،جو شخص اس ماہ میں نفل نیکی کرے گا توایسا اجر پائے گا کہ گویا اس نے کسی دوسرے مہینے میں فرض ادا کیا،اور جو اس ماہ میں ایک فرض ادا کرے گا تو وہ ایسا ہو گا جیسے اس نے دوسرے مہینے میں ستّر فرض ادا کیے۔یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔یہ غربا کی غمخواری کا مہینہ ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھتا ہے۔جو اس مہینے میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے تو اس کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے اور اس کی گردن آگ سے آزاد کر دی جائے گی اور اس کو روزہ دار جتنا ثواب ملے گا،بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کمی ہو... صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم میں سے ہر شخص وہ نہیں پاتا(یعنی اتنی استطاعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کا روزہ افطار کرائے)تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس کو بھی دے گا جو روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے افطار کرائے ،اور جو روزہ دار کو پیٹ بھر کھلائے پلائے اسے اللہ تعالیٰ میرے حوض سے وہ پانی پلائے گا کہ کبھی پیاسا نہ ہو گا حتیٰ کہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔یہ وہ مہینہ ہے جس کا اوّل حصہ رحمت، درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا ہے، جو اس مہینہ میں اپنے ماتحت سے کام میں تخفیف کرے اس شخص کو بخش دیا جائے گا اور آگ سے آزاد کر دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص:۱۷۴)

روزہ شریعت اسلامی میں اسے کہتے ہیں کہ انسان صبح صادق سے غروب آفتاب تک بہ نیت عبادت ، اپنے آپ کو قصداً کھانے پینے اور جماع سے روکے رکھے۔ اسلام کے جیسے اوراحکام بتدریج (وقفہ وقفہ سے) فرض کیے گئے،اسی طرح روزہ کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے ابتدا میں مسلمانوں کو صرف ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر یہ روزے فرض نہ تھے۔ پھر ۲ھ میں رمضان کے روزوں کا حکم قرآن کریم میں نازل ہوا اور سال میں ایک مہینے کے روزے رکھنا اسلام کا چوتھا رکن قرار پایا مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزہ رکھنے کو تو رکھ لیں لیکن بھوک پیاس کی برداشت ان پر دشوار ہو، مشقت بہت اُٹھانی پڑے مثلاً زیادہ بوڑھے مرد یا بوڑھی اور حاملہ عورتیں یا دودھ پلانے والی عورتیں ،وہ ہر روزہ کے بدلے روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلادیا کریں۔

اسلامی روزہ کی غرض وغایت قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ روزے انسان کے اندر خدا ترسی کی طاقت مستحکم کر دیتے ہیں۔ تقویٰ کی مثال پر غور کریں کہ گرمی کا موسم ہے ، روزہ دار کو سخت پیاس لگی ہے، مکان میں تنہا ہے کوئی ٹوکنے والا،ہاتھ روکنے والا نہیں،صاف ستھرا ٹھنڈا پانی اس کے سامنے موجود ہے مگر وہ پانی نہیں پیتا...روزہ دار کو سخت بھوک

لگی ہے، بھوک کی وجہ سے جسم میں ضعف بھی محسوس کرتا ہے، نفیس خوش ذائقہ مرغن غذا بھی میسر ہے، کوئی شخص اسے دیکھ بھی نہیں رہا، کسی کو کان وکان خبر نہ ہوگی، مگر وہ کھانا نہیں کھاتا... پیاری دل پسند بیوی گھر میں موجود ہے جہاں نہ خویش ہے نہ بیگانہ لیکن روزے دار اس سے پہلوتہی اختیار کرتا ہے، وجہ یہ ہے کہ خدا کے حکم کی عزت وعظمت اس کے دل میں اس قدر جاگزیں ہے کہ کوئی جذبہ بھی اس پر غالب نہیں آسکتا... ظاہر ہے کہ جب ایک ایماندار آدمی خدا کے حکم کی وجہ سے جائز، حلال، پاکیزہ خواہشوں کو چھوڑ دینے کی عادت کرلیتا ہے تو یہ بالضرور خدا کے حکم کی وجہ سے بعد میں بھی حرام، ناجائز اور گندی عادتوں اور خواہشوں کو چھوڑ دے گا اور ان کے ارتکاب کی کبھی جرأت نہ کرے گا۔

یہی وہ اخلاقی برتری ہے جس کا روزہ دار کے اندر پیدا کرنا اور اسے مستحکم کر دینا شریعت کا مقصود ہے۔ اسی لیے غیبت، فحش گوئی، بدنگاہی، بری باتوں اور تمام گناہوں سے روزہ میں بچے رہنے کی سخت تاکید آئی ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

”جو روزہ دار جھوٹ بولنا، لغو بکنا اور لغو وفضول کاموں کو کرنا نہیں چھوڑتا تو خدا کو کچھ پرواہ نہیں اگر وہ کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے“۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

”روزہ سپر ہے جب تک اسے پھاڑا نہ گیا ہو“ عرض کی گئی کس چیز سے پھاڑے گا؟، ارشاد فرمایا ”جھوٹ یا غیبت سے“۔

الغرض گناہ ومعصیت کسی قسم اور کسی درجہ کی بھی ہو، مسلمان کے لیے ہر زمانے اور ہر موسم میں حرام ہے لیکن رمضان کے ماہ مبارک میں یہی ممانعت اور زیادہ مؤکد واشد ہوجاتی ہے... بدگوئی، بدنظری، بدزبانی حرام ہمیشہ ہی ہیں، مگر رمضان میں کہنا چاہیے کہ حرام تر ہوجاتی ہیں اور دن تو خیر اتنی بڑی عبادت یعنی حکم الٰہی کے احترام میں نفسانی لذتوں سے دوری میں بسر ہوتا ہی ہے روزہ دار کی رات بھی عبادت میں بسر ہوتی ہے۔ پورے مہینہ کے رات اور دن کسی لمحہ غفلت نہ کرنا چاہیے۔

پھر آج طب جدید وقدیم اور سائنس داں سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دور کرنے کا بہترین علاج اور جسم انسانی کی اصلاح کے لیے ایک بہترین نسخہ ہے۔ روزہ آہستہ آہستہ بھوک اور پیاس کی آنچ سے تمام اندرونی اور بیرونی بدن کے فضلات کو جو بدن میں بے کار پڑے رہتے اور صحت انسانی کو برباد کرتے رہتے ہیں، جلا کر نیست ونابود کردیتا ہے۔ پھر بدنی صحت وتندرستی روزہ کی بدولت جیسی حاصل ہوتی ہے کسی اور ذریعے سے میسر نہیں آسکتی... تازہ کھجور کہ خشک نہ ہوئی اور یہ نہ ہو تو خشک چھوارے ورنہ پانی سے روزہ افطار کرنا مسنون ہے۔

بعض ضروری مسائل:

☆... نیت دل کے ارادہ کا نام ہے۔ زبان سے کہنا شرط نہیں، مگر زبان سے کہہ لینا مستحب ہے۔ رات میں نیت کرے تو یوں کہے کہ ” میں نے نیت کی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس رمضان کا فرض روزہ کل رکھوں گا/گی “ اور دن میں یعنی دوپہر سے پہلے پہلے نیت کرے تو یوں کہے کہ ” میں نے نیت کی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے آج رمضان کا فرض روزہ رکھوں گا/گی “۔

☆... رمضان المبارک کے روزے قضا ہوگئے۔ اب رکھنا چاہے تو عین صبح صادق کے وقت یا رات میں نیت کرنا ضروری ہے۔ اگر دن میں نیت کی تو یہ روزہ نفلی ہوگا۔ پھر بھی اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ توڑا تو قضا لازم آئے گی۔ (در مختار)

☆... روزہ میں تیل یا سرمہ لگایا تو روزہ نہ گیا اگرچہ تیل یا سرمہ کا مزہ حلق میں محسوس ہوتا ہو، بلکہ تھوک میں سرمہ کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہو، جب بھی نہیں ٹوٹا۔ (ردالمحتار)

☆... جنابت (یعنی ناپاکی) کی حالت میں صبح کی بلکہ اگر چہ سارے دن ناپاک رہا، روزہ نہ گیا مگر اتنی دیر تک قصداً غسل نہ کرنا کہ نماز قضا ہوجائے، گناہ وحرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

”جنب (ناپاک) جس گھر میں ہوتا ہے، اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے“۔ (در مختار)

☆... بچہ جیسے ہی آٹھویں سال میں قدم رکھے اس کے ولی پر لازم ہے کہ اسے نماز روزہ کا حکم دے اور جب اسے گیارہواں سال شروع ہو تو ولی پر واجب ہے کہ روزہ نماز پر سختی کرے، مارے تاکہ وہ عادی ہو، ہاں اگر روزہ سے اسے نقصان پہنچتا ہو تو اور بات ہے۔

(در مختار، فتاوٰی رضویہ)

☆... عورت کا حیض ونفاس سے پاک ہونا روزہ کے لیے شرط ہے۔

☆... حیض ونفاس والی عورت پاک ہوگئی تو جو کچھ دن باقی رہا ہے، اسے روزے کے مثل گزارنا واجب ہے اور اس کی قضا بعد میں فرض ہے۔ (در مختار)

☆... عورت کو شوہر نے مجبور کیا پھر اپنی خوشی سے مشغول رہی تو کفارہ نہیں دونوں پر روزہ کی قضالازم ہے۔

☆... یہ گمان تھا کہ صبح نہیں ہوئی اور کھایا پیا بعد کو معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی تو صرف قضالازم ہے یعنی اس روزے کے بدلے ایک روزہ رکھنا پڑے گا۔

☆... بھول کر کھایا پیا یا قے ہوگئی اور یہ گمان کیا کہ روزہ جاتا رہا، اب قصداً کھا پی لیا تو صرف قضا فرض ہے۔ (در مختار)

☆... یہ گمان کر کے کہ آفتاب غروب ہو گیا (حالانکہ وقت نہ ہوا تھا)، روزہ افطار کر لیا، تو قضالازم ہے، کفارہ نہیں۔ (در مختار)

☆... آنسو منہ میں چلا گیا اور نگل لیا اگر قطرہ، دو قطرہ ہے تو روزہ نہ گیا، اور زیادہ تھا کہ اس کی نمکینی پورے منہ میں محسوس ہوئی تو روزہ جاتا رہا، پسینہ کا بھی یہی حکم ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

☆... نتھنوں سے دوا چڑھائی یا کان میں تیل ڈالا یا تیل چلا گیا، روزہ جاتا رہا اور پانی کان میں چلا گیا تو روزہ باقی ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

☆... ڈورا بٹا، اسے تر کرنے کے لیے منہ پر گزارا۔ پھر دوبارہ سہ بار یوں ہی کیا، روزہ نہ جائے گا۔ مگر جبکہ ڈورے سے کچھ رطوبت جدا ہو کر منہ میں رہی اور تھوک نگل لیا تو روزہ جاتا رہا۔ یونہی منہ میں رنگین ڈورا رکھا جس سے تھوک رنگین ہو گیا، پھر تھوک نگل لیا تو روزہ جاتا رہا۔ (فتاویٰ عالمگیری)

☆... کلی کی اور بلا قصد پانی حلق سے اُتر گیا، ناک میں پانی چڑھایا اور دماغ کو چڑھ گیا۔ روزہ جاتا رہا، ہاں اگر وہ اس وقت اپنا روزہ دار ہونا بھول گیا ہو تو نہ ٹوٹے گا، اگرچہ قصداً ہوا ہو۔ (فتاویٰ عالمگیری)

☆... روزہ میں دانت نکلوایا اور خون نکل کر حلق سے نیچے اُتر گیا یا سوتے میں ایسا ہوا تو روزہ جاتا رہا، اس کی قضالازم ہے۔

☆... اگر بتی یا اور کوئی خوشبو وغیرہ سلگی ہوئی تھی، منہ قریب کر کے دھوئیں کو ناک سے کھینچا یا خود قصداً حلق تک دھواں پہنچایا خواہ وہ کسی چیز کا دھواں ہو اور کسی طرح پہنچایا ہو، روزہ جاتا رہا (در مختار)

☆... کان میں سے میل نکالا اور میل لگی ہوئی سلائی دوسری یا تیسری مرتبہ کان میں کی تو روزہ نہ جائے گا کہ کان کریدنے میں سلائی دماغ تک نہیں جاتی۔

☆... مبالغہ کے ساتھ استنجا کیا، یہاں تک کہ پانی اندر پہنچ گیا تو روزہ جاتا رہا (در مختار)

☆... پان کھا کر سو گیا اور صبح اُٹھ کر روزہ کی نیت کی تو اگر پان کھالیا تھا، منہ میں صرف چند دانے چھالیہ کے، دانتوں میں لگے رہ گئے تو روزہ صحیح ہو جائے گا اور اگر صبح کے بعد بھی منہ میں اُگال موجود تھا کہ اس کے عرق کا لعاب کے ساتھ منہ میں جانے کا گمان ہے تو اب روزہ نہ ہو گا۔ سحری میں زیادہ کھا لیا کہ اب دن میں کھٹی ڈکاریں آرہی ہیں تو اس سے روزہ نہیں جاتا۔ (فتاویٰ رضویہ)

وہ حالتیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

☆... بات کرنے میں تھوک سے ہونٹ تر ہوئے اور اسے پی لیا یا منہ سے رال ٹپکی مگر تار ٹوٹا نہ تھا کہ اسے چڑھا کر پی لیا یا ناک میں رینٹھ آگئی بلکہ ناک سے باہر ہو گئی مگر الگ نہ ہوئی تھی کہ اسے چڑھا کر پی لیا یا کھنکار منہ میں آئی اور اسے کھا لیا، اگرچہ کتنی ہی ہو، روزہ نہ جائے گا لیکن یہ چونکہ نفرت لانے والی چیزیں ہیں اور ان سے دوسروں کو بھی گھن آتی ہے، اس لیے ان سے احتیاط چاہیے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

☆... بھولے سے کھانا کھا رہا تھا، یاد آتے ہی فوراً لقمہ پھینک دیا، یا صبح صادق سے پہلے کھا رہا تھا اور صبح ہوتے ہی اُگل دیا تو روزہ نہ گیا اور نگل لیا تو دونوں صورتوں میں جا تا رہا۔ (فتاویٰ عالمگیری) اور ان دونوں صورتوں میں اس پر قضا اور کفارہ واجب ہے۔

☆... مکھی حلق میں چلی گئی، روزہ نہ گیا اور قصداً نگلی تو جاتا رہا۔

☆... تل یا تل کے برابر کوئی چیز تھوک کے ساتھ حلق سے اُتر گئی تو روزہ نہ گیا ہاں اگر اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ جاتا رہا۔

☆... قصداً منہ بھر قے (اُلٹی) کی اور روزہ دار ہونا یاد ہے تو روزہ جاتا رہا، خواہ اس میں کچھ منہ ہی سے حلق میں واپس چلی جائے یا نہ جائے اور منہ بھر سے کم کی تو روزہ نہ گیا۔ (در مختار)

☆... بلا اختیار منہ بھر قے ہوگئی تو روزہ نہ گیا اور اگر اس نے لوٹا لی اگرچہ اس میں سے صرف چنے برابر حلق سے اُتری تو روزہ جاتا رہا اور منہ بھر نہ ہو تو روزہ نہ گیا اگرچہ حلق میں لوٹ گئی یا اس نے خود لوٹائی۔ (ردالمحتار)

☆... قے خواہ قصداً ہو یا بلا اختیار، اس میں بلغم آیا تو روزہ نہ ٹوٹا اگرچہ منہ بھر ہو۔ (فتاویٰ عالمگیری)

☆... روزہ دار کو بلا عذر کسی چیز کا چکھنا یا چبانا مکروہ ہے۔ چکھنے

کے لیے عذر یہ ہے کہ مثلاً عورت کا شوہر بد مزاج ہے۔ ہانڈی میں کم وبیش ہو گا تو وہ اس کی ناراضگی کا باعث ہو گا تو چکھنے میں حرج نہیں۔ چبانے کے لیے یہ عذر ہے کہ اتنا چھوٹا بچہ کہ روٹی نہیں کھا سکتا اور کوئی نرم غذا نہیں جو اسے کھلائی جائے، نہ کوئی بے روزہ دار موجود ہے جو چبا کر دے دے تو بچہ کے لیے روٹی وغیرہ چبانا مکروہ نہیں۔ (در مختار)

☆... کوئی چیز خریدی اور اس کا چکھنا ضروری ہے کہ نہ چکھا تو نقصان ہو گا تو چکھنے میں حرج نہیں ورنہ مکروہ ہے (در مختار) چکھنے سے مراد یہ ہے کہ زبان پر رکھ کر مزہ دریافت کرلیں اور اسے فوراً تھوک دیں اس میں سے کچھ حلق میں نہ جانے پائے۔

☆... سحری کھانا اور اس میں تاخیر کرنا مستحب اور باعث ثواب ہے مگر اتنی دیر کہ صبح ہونے کا شک ہو جائے، مکروہ ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

☆... افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے مگر افطار اس وقت کرے کہ غروب کا غالب گمان ہو جب تک گمان غالب نہ ہو، افطار نہ کرے، اگرچہ مؤذن نے اذان کہہ دی ہو یا کسی اور طریقہ پر افطار کا اعلان کر دیا جائے۔ (رد المحتار)

روزہ نہ رکھنے کے عذر و احکام:

شریعت مطہرہ نے بعض صورتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے اگر ان صورتوں میں روزہ نہ رکھا تو کوئی گناہ کی بات نہیں مثلاً:

☆... حمل والی اور دودھ پلانے والی کو اگر اپنی جان یا بچہ کی جان کا صحیح اندیشہ ہے تو اجازت ہے کہ اس وقت روزہ نہ رکھے، خواہ دودھ پلانے والی بچہ کی ماں ہو یا دائی۔ (در مختار)

☆... بیمار کو بیماری بڑھ جانے یا دیر میں اچھا ہونے یا تندرست کو بیمار ہو جانے کا یا خادمہ کو ناقابل برداشت کمزوری کا غالب گمان ہو تو ان سب کو اجازت ہے کہ اس دن روزہ نہ رکھیں، بعد میں رکھ لیں۔ (در مختار)

جو صورتیں اوپر مذکور ہوئیں، ان میں غالب گمان کا اعتبار ہے محض وہم و خیال کافی نہیں اور غالب گمان کی تین صورتیں ہیں:

۱... اس کی ظاہری نشانی پائی جاتی ہے۔

۲... اس کا ذاتی تجربہ ہے۔

۳... یا کسی مسلمان ماہر طبیب نے جس کی رائے عوام و خواص میں وزنی سمجھی جاتی ہے، اس کی خبر دی اور تصدیق کی ہو۔

اور اگر نہ کوئی علامت ہو، نہ تجربہ، نہ اس قسم کے طبیب نے اسے بتایا بلکہ کسی ناقابل اعتماد خواہ ڈاکٹر کے کہنے سے روزہ چھوڑ دیا تو خواہ مخواہ کا گناہ کمایا اور روزہ رکھ کر ان کی باتوں میں آکر توڑ دیا تو کفارہ بھی لازم آئے گا۔ آج کل اکثر ڈاکٹروں کا عالم یہ ہے کہ ذرا سی بات پر روزہ سے منع کر دیتے ہیں، حالانکہ انہیں اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا کہ روزہ کس بیماری میں نقصان دیتا ہے اور کہاں مفید ہوتا ہے۔ ایسوں کی باتیں ہرگز قابل اعتبار نہیں، ان کے کہے میں نہ آئیں، کسی قابل اعتماد ڈاکٹر یا عالم سے دریافت کریں۔

☆... عورت کو جب حیض آگیا تو روزہ جاتا رہا، ایام کے روزوں کی بعد میں قضا کرے۔

☆... عورت حیض سے فارغ ہوئی تو بہر حال کل کا روزہ رکھے اگرچہ غسل نہ کیا ہو۔ (فتاویٰ عالمگیری)

☆... مجبوری سے روزہ چھوڑنے والا چھپ کر کھائے اور ظاہراً روزہ دار کی طرح ہی رہے۔

☆... بھوک اور پیاس ایسی ہو کہ ہلاکت کا خوف صحیح، یا نقصان عقل کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

☆... روزہ توڑنے پر مجبور کیا گیا تو اسے اختیار ہے اور صبر کیا تو اسے اجر ملے گا۔

جنھوں نے عذر کے سبب روزہ توڑا، ان پر فرض ہے کہ ان روزوں کی قضا رکھیں اور حکم یہ ہے کہ عذر جانے کے بعد دوسرے رمضان کے آنے سے پہلے قضا رکھ لیں۔ حدیث شریف میں ہے:

”جس پر رمضان کی قضا باقی ہے اور وہ نہ رکھے (یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا) تو اس کے روزے قبول نہ ہوں گے“۔

قضا روزے نہ رکھے تھے کہ دوسرا رمضان آگیا تو اب پہلے اِس رمضان کے روزے رکھے، قضا روزے پھر بعد میں رکھے۔ (در مختار)

روزہ کا فدیہ:

☆... ایسا بوڑھا آدمی جس کی عمر ایسی ہو گئی کہ اب روز بروز کمزور ہی ہوتا جائے گا جب وہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو یعنی نہ اب رکھ سکتا ہے نہ آئندہ، نہ اس میں اتنی طاقت آنے کی امید ہے کہ روزہ رکھ سکے گا تو اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور ہر روزے کے بدلے میں صدقۂ فطر (سوا دو سیر گیہوں یا اس کی رقم خرید) کی مقدار کسی مسکین کو دے دے۔ (در مختار) بلکہ یہی بہتر ہے کہ بعض اوقات کھانا کھلانا دشوار ہو جاتا ہے۔

(باقی ص:۴۱ پر)

نقد و نظر

کتاب : حیات طالب
مولف : مولانا غلام جیلانی مصباحی
صفحات : ۱۴۱
قیمت : سو روپے
ناشر : خانقاہ تیغیہ علائیہ چکنا شریف مظفر پور بہار
مبصر : محمد ساجد رضا مصباحی
استاذ دار العلوم غریب نواز داہو گنج کشی نگر یوپی

صوبہ بہار کا مردم خیز خطہ مظفر پور علم وادب اور معرفت وروحانیت کے حوالے سے اپنی منفرد شناخت رکھتا ہے، ماضی قریب میں اس سرزمین پر شریعت وطریقت کے کئی درخشندہ ستاروں نے اپنی جلوہ سامانیوں سے اہل سنت کی عظمت ورفعت کو دوبالا کیا، اس ضمن میں شیخ المشائخ سرکار سُرکاہی حضرت تیغ علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، امین شریعت مفتی اعظم کان پور حضرت رفاقت حسین علیہ الرحمہ وغیرہ کے اسما خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت تیغ علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفا میں ایک بڑا ہی مبارک نام ارشاد الطالبین، علاؤ الملۃ حضرت مولانا شاہ علاء الدین طالب القادری قدس سرہ کا ہے، جو اپنے اوصاف وکمالات میں اپنے مرشد گرامی کے عکس جمیل تھے، انہوں نے حضرت تیغ علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی صحبت سے خوب خوب فیض اٹھایا اور آپ کے علمی وروحانی کمالات کا وافر حصہ اخذ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سلسلہ تیغیہ کے خلفا میں شاہ طالب القادری کا نام بڑے احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے، اہل علم ان کی دینی وعلمی خدمات کی قدر کیا کرتے ہیں۔ ان کے عظیم کارنامے، خصوصا دینی ومذہبی خدمات اور ان کے اوصاف وکمالات کو پڑھ کر میں بے حد متاثر ہوا اور حیرت بھی ہوئی کہ اپنی جماعت کی اس قدر عظیم شخصیت کا اب تک تعارف نہیں ہوسکا۔ خیر غفلت کا پردہ چاک ہوا اور حضرت مولانا الحاج غلام جیلانی مصباحی استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف نے مسلسل محنت و مشقت کے بعد اپنے علاقے کی اس عظیم علمی و روحانی شخصیت کا تذکرہ جمیل مرتب کرکے صاحب تذکرہ کے حالات کو ضائع ہونے سے بچالیا۔

عموما قومی یا بین الاقوامی شخصیات پر لکھا پڑھا تو جاتا ہے، لیکن پسماندہ علاقوں میں سرد وگرم برداشت کرکے خون جگر پیش کرکے گلشن اہل سنت کی آبیاری کرنے والے مجاہدین سے حد درجہ بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔ ہم نے اپنی تساہلی اور غفلت کے سبب اپنی جماعت کے کتنے جیالوں اور محسنوں کو فراموش کردیا، احسان فراموشی کا یہ سلسہ اب ختم ہونا چاہیے۔

مولف گرامی حضرت مولانا الحاج غلام جیلانی مصباحی جواں سال عالم دین اور بلند عزم وحوصلے کے آدمی ہیں، تقریبا ڈیڑھ دہائی سے جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کی مسند تدریس پر رونق افروز ہیں، خطابت کے میدان میں بھی انہوں نے بڑا کمال حاصل کیا ہے، تدریس وخطابت کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی ستھرا ذوق رکھتے ہیں، ان کے قلم سے اردو اور ہندی زبان میں کئی کتابیں معرض وجود میں آچکی ہیں، ان کی حصولیابیوں کا سلسلہ جاری ہے، اور اس بار انہوں نے ”حیات طالب“ مرتب کرکے ایک اور تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے اور اپنے بلند عزائم کا بھی ثبوت پیش کردیا ہے۔

پہلی بار کسی شخصیت کی سوانح مرتب کرنا بڑا ہی مشکل اور محنت طلب کام ہوتا ہے، متعلقہ شخصیت کے اوراق حیات کا گہرائی سے مطالعہ، مختلف گوشوں پر مواد کی حصولیابی، اس کی چھان پھٹک، پھر اسے سلیقے سے مرتب کرنا جہاں سعی پیہم اور جذبہ جنوں کا تقاضا کرتا ہے وہیں تحریر وقلم کا شعور، فکری بالیدگی، ذہنی وسعت اور سلیقہ مندی بھی ضروری ہوا کرتی ہے، سوانح نگار ان اوصاف سے خالی ہو تو سوانح نگاری کا عمل کامیاب نہیں ہوتا۔ مولف محترم حضرت مولانا غلام جیلانی مصباحی قبلہ ایک بالغ نظر عالم دین، بالیدہ افکار ونظریات کے حامل اور انتہائی سلیقہ مند واقع ہوئے ہیں، جس کا ثبوت آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔ خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے صاحب تذکرہ کی حیات مبارکہ کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا ہے اور واقعات کی تحقیق وتفتیش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دیا ہے، اس لحاظ سے ہم اس کتاب کو شاہ طالب القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات وخدمات پر مشتمل اولین مستند دستاویز کہہ سکتے ہیں۔

”حیات طالب“ میں شاہ طالب القادری کے مختلف گوشہائے حیات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، خاندانی پس منظر، ولادت، ابتدائی تعلیم، حصول علم سے فراغت، ملازمت اور پیر ومرشد کی بارگاہ

میں پہلی حاضری کے احوال وکوائف پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔

سوانح نگاری کے باب میں مبالغہ آرائی بلکہ اوصاف وکمالات کے بیان میں غلو عام ہے، سوانح نگار جب تک زمین وآسمان کے قلابے نہ ملادے آسودہ نہیں ہوتا، حالاں کہ صاحب تذکرہ کے حقیقی کمالات اور خدمات کو ہی صحیح طریقے سے بیان کردینا ان کی شخصیت کی تفہیم کے لیے کافی ہوتا ہے۔ "حیات طالب" میں مولف محترم نے مبالغہ آرائی سے پرہیز کرتے ہوئے مکمل حزم واحتیاط کے ساتھ حقائق کو منظر عام پر لانے کو شش کی ہے، اور انہیں حالات وواقعات کو شامل کتاب کیا ہے جن کے بارے میں انہیں مستند ذرائع سے یقینی علم حاصل ہوگیا ہے۔

شاہ طالبؔ القادری علیہ الرحمۃ جامع شریعت وطریقت تھے، اپنے پیر ومرشد کی نگہ التفات سے آپ نے معرفت وروحانیت کے اعلیٰ مراتب کا سفر طے کیا تھا، بے شمار پریشان حال لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی پریشانیوں کا ذکر کرتے اور دامن مراد کو بھر کر واپس ہوتے۔ مولف نے ایسے متعدّد واقعات مستند ذرائع سے نقل کیے ہیں جن سے آپ کے روحانی تصرفات کا پتہ چلتا ہے۔

شاہ طالبؔ القادری علیہ الرحمۃ اپنے علاقے کے معتمد علیہ اور مرجع عوام وخواص تھے، ملک کے مستند علما سے آپ کے گہرے روابط تھے، خانوادہ رضویہ بریلی شریف اور خانوادہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف کے اکابرین سے عقیدت مندانہ وابستگی رکھتے تھے، ان کے ادب واحترام میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے، اس حوالے سے بھی متعدّد واقعات اس کتاب کی زینت ہیں۔

کسی شخصیت کی عظمت ورفعت پر معاصرین کی شہادت بڑی اہمیت رکھتی ہے، حضرت شاہ طالبؔ القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے مولف نے ارباب علم وفن کے تاثرات جمع کرکے ان کی شخصیت کو واضح کرنے کوشش کی ہے۔ ۱۴۰ر صفحات پر مشتمل اس کتاب کے ابتدائی صفحات پر حضرت مفتی محمد انفاس الحسن چشتی، حضرت مفتی مطیع الرحمن رضوی مظفر پوری، حضرت مفتی محمد حامد القادری تیغی اور شہزادہ طالب القادری حضرت مولانا محمد شہاب الدین قادری تیغی کے حوصلہ افزا کلمات و تقریظات کتاب کی اہمیت کو دوبالا کرتی ہیں، کتابت و طباعت کے اعتبار سے بھی یہ کتاب ذوق جمیل کا نمونہ ہے۔ یہ کتاب ہر جہت سے متاثر کن ہے، امید ہے کہ علم وادب کے حلقوں میں یہ کاوش پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائیگی۔ ☆☆☆☆

(ص:۳۹ کا بقیہ).......☆... فدیہ دینے کے بعد اتنی طاقت آگئی کہ روزے رکھ سکتا ہے تو وہ فدیہ جو پہلے دے چکا، صدقہ نفل ہوگیا لہٰذا اب روزوں کی قضا رکھے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

☆... اگر ایسا بوڑھا آدمی، مرد خواہ عورت، گرمیوں میں بوجہ گرمی کے روزے نہیں رکھ سکتا، مگر سردیوں میں رکھ سکے گا تو اب روزے چھوڑ دے اور ان کے بدلے کے روزے سردیوں میں رکھنا اس پر فرض ہے۔ (ردالمحتار)

☆... روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہونا ایک تو واقعی ہوتا ہے اور ایک کم ہمتی سے ہوتا ہے، کم ہمتی کا کچھ اعتبار نہیں، اکثر اوقات شیطان دل میں ڈالتا ہے کہ ہم سے یہ کام ہرگز نہ ہوسکے گا اور کریں گے تو مرجائیں گے، بیمار پڑجائیں گے پھر جب خدا پر بھروسہ کرکے کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ادا کرادیتا ہے، کچھ بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ ۷۵ ربرس کی عمر میں نہ رکھ سکیں تو شیطان کے وسوسوں سے بچ کر خوب صحیح طور پر جانچ کرلینی چاہیے کہ شریعت میں یہاں نہ کم ہمتی کا کوئی اعتبار ہے، نہ شیطانی وسوسوں کا کہیں کوئی لحاظ... ایک اور بات یہ ہے کو ان بوڑھوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ لگاتار مہینے بھر کے روزے نہیں رکھ سکتے، مگر ایک دو دن بیچ کے ناغہ کرکے رکھ سکتے ہیں تو جتنے رکھ سکیں اتنے رکھنا ان پر فرض ہے جتنے قضا ہوجائیں، بعد میں رکھ لیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

روزہ توڑنے کا کفارہ: ☆... روزہ توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ آدمی لگا تار ساٹھ روزے رکھے، اگر یہ نہ کرسکے کہ بیمار ہے اور اچھے ہونے کی کوئی امید نہیں یا بہت بوڑھا ہے تو ساٹھ مساکین کو پیٹ بھر کر دونوں وقت کھانا کھلائے اور یہ اختیار ہے کہ ایک دم سے ساٹھ مسکینوں کو کھلادے یا متفرق طور پر اور اگر ایک وقت ساٹھ کو کھلایا، دوسرے وقت ان کے سوا دوسرے ساٹھ کو کھلایا تو کفارہ ادا نہ ہوگا بلکہ ضروری ہے کہ پہلوں یا پچھلوں کو پھر ایک وقت کھلائے۔ (در مختار، ردالمحتار)

☆... یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر مسکین کو بقدر صدقہ فطر یعنی تقریباً سوا دو سیر گیہوں یا ان کی قیمت کا مالک کردیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صبح کو کھلادے اور شام کے لیے قیمت دے دے یا شام کو کھلادے یا دو دن تیس تیس کو دے دے، غرض یہ کہ ساٹھ کی تعداد جس طرح چاہے پوری کردے، اس کا اختیار ہے۔ (در مختار، ردالمحتار)

منظومات

اشرفیہ زندہ باد

اشرفیہ زندہ باد اشرفیہ زندہ باد
لائقِ صد مدح و داد، اشرفیہ زندہ باد

مظہرِ عشقِ خدا، مدح خوانِ مصطفےٰ
داعیٔ علم و حیا تابشِ راہِ بقا
محسنِ پُر اعتماد، اشرفیہ زندہ باد

مرکزِ احیائے دیں، قلعۂ عزم و یقیں
حاصلِ فتحِ مبیں، کیا عروجِ دلنشیں
سارا عالم تجھ سے شاد، اشرفیہ زندہ باد

علم و فن کا پاسباں، دینِ حق کا گلستاں
عشق کا ہے راز داں، جلوہ ہر سو ضوفشاں
سب کو آئے تیری یاد، اشرفیہ زندہ باد

سایۂ آلِ نبی جس پہ قائم ہر گھڑی
اہلِ حق میں ہر خوشی، اہل شر میں کھلبلی
ہے فدا جوشِ عباد، اشرفیہ زندہ باد

کیا فضائے خوبتر، دور تک محراب و در
ہر طرف نورِ سحر، مست ہے ذوقِ نظر
آفتابِ اتحاد، اشرفیہ زندہ باد

حافظِ ملت کی جان، ملک و ملت کی ہے شان
تشنگانِ دیں کی آن، جس کی خدمت عالیشان
اللہ رکھے شاد شاد، اشرفیہ زندہ باد

ہے یہ گوہؔر کی دعا چشم بد سے رب بچا
حشر تک ہوا ارتقا علمِ دیں کی ہو بقا
ہے یہی سب کی مراد، اشرفیہ زندہ باد

در مدح الجامعۃ الاشرفیہ

در جہاں رخشد ضیائے اشرفیہ مرحبا
برسرِ ملت ردائے اشرفیہ مرحبا
جلوۂ مہر و وفائے اشرفیہ مرحبا
ہر بشر باشد فدائے اشرفیہ مرحبا
خیر خواہ و آشنائے اشرفیہ مرحبا
خوبتر نورِ وَلائے اشرفیہ مرحبا
یادگارِ حافظِ ملت چراغِ اہل دیں
جان و دل قرباں برائے اشرفیہ مرحبا
قلعۂ تبلیغ حق، محراب و در رشکِ فلک
آفتابِ اعتلائے اشرفیہ مرحبا
کثرتِ محراب وبام و در کہ تاحدِّ نظر
عظمتِ نورِ سَنائے اشرفیہ مرحبا
آرزوئے دید می دارند اربابِ دفا
طالبانِ جلوہ ہائے اشرفیہ مرحبا
خدمتِ مصباحیاں حاوی بہ ہر تعلیم گاہ
خلق می بیند ضیائے اشرفیہ مرحبا
سربراہِ اشرفیہ را خدا بخشد حیات
می شود ذکر ذُکائے اشرفیہ مرحبا
گوہؔر بیکس یکے از عاشقانِ جامعہ
گنجِ علم و فن، عطائے اشرفیہ مرحبا

از:
ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہؔر مصباحی

منقبت در شان علامہ
عبد العزیز قادری مصباحی علیہ الرحمہ

شمع دین مصطفی تھے حضرت عبد العزیز
نائب خیر الوری تھے حضرت عبد العزیز
ان کے دم سے سنیت کا بول بالا ہو گیا
نجدیت تھرّا رہی جس کی زد سے آج بھی
خنجر احمد رضا تھے حضرت عبد العزیز
کشتۂ اہل سنن کو لے گئے ساحل تلک
دیں کے ایسے ناخدا تھے حضرت عبد العزیز
حضرت بو الفیض کے پیارے چمن کے ایک پھول
بیش قیمت بے بہا تھے حضرت عبد العزیز
مفتیٔ اعظم کے پیارے اشرفیہ کے وہ لال
سر بسر فیض رضا تھے حضرت عبد العزیز
آندھی و طوفان میں بھی جو جلا شام و سحر
ایسا مصباحی دیا تھے حضرت عبد العزیز
ماحیٔ کفران و بعت، محسن اہل سنن
ضیغم دین خدا تھے حضرت عبد العزیز
یا الٰہی! کر عطا ان کا کوئی نعم البدل
قوم مسلم کی دعا تھے حضرت عبد العزیز
ایک پل میں دشت کو الفتؔ گلستاں جو کرے
ایسی رحمت کی گھٹا تھے حضرت عبد العزیز

از:
محمد وثیق الفتؔ نظامی

سفرِ آخرت

اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

۱۷/رجب المرجب ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۵، اپریل ۲۰۱۷ء کو بہار انٹر میڈیٹ امتحان کی کاپی جانچ کی ذمہ داری نبھانے میں مصروف تھا کہ قریب چار بجے شام، مولانا حیدر رضا، صدر مدرس، مدرسہ اسلامیہ محمدیہ، الکھبنی، باراچکیا، مشرقی چمپارن کا فون آیا۔ انھوں نے اطلاع دی کہ ضیغم اہل سنت حضرت علامہ عبدالعزیز خاں قادری اب دنیا میں نہیں رہے۔ اس خبر پر راقم الحروف کو یقین بایں وجہ نہیں آیا کہ حضرت سے دو ہفتہ قبل ہی فون پر گفتگو ہوئی تھی۔ فوراً سے پیش تر میں نے حضرت کے صاحب زادے مولانا عقیل احمد مصباحی کو فون کیا۔ انھوں نے فرمایا خبر بالکل درست ہے۔ حضرت کا انتقال دوپہر پونے ایک بجے ممبئی میں ہو گیا ہے۔ خبر کی تصدیق ہوجانے کے بعد راقم کی حالت عجیب و غریب ہوگئی۔ سب کام چھوڑ چھاڑ کر اپنی رہائش گاہ کریم چک آگیا اور روزنامہ انقلاب کے نمائندہ برادرم شمشیر عالم کو حضرت کے وصال کی خبر دی تو وہ بھی حیرت میں پڑ گئے۔ ہماری حالت یہ ہوگئی تھی کہ نمائندہ انقلاب نے اخبار میں خبر کی اشاعت کے لیے حضرت کے متعلق جو سوالات راقم سے کیے اس کا صحیح جواب بھی نہیں دے پا رہا تھا۔ پھر بھی اگلے دن روزنامہ انقلاب میں راقم کے حوالے سے خبر شائع ہوئی:

''چھپرہ (شمشیر عالم) سارن کمشنری کو ایک علمی شخصیت مولانا عبدالعزیز خاں کے انتقال کی خبر موصول ہوتے ہی سارن ضلع کے علمی و مذہبی حلقہ میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ ان کے انتقال پُر ملال پر غم کا اظہار کرتے ہوئے محمد ولی اللہ قادری، شعبۂ اردو، ضلع اسکول چھپرہ نے کہا کہ مولانا عبدالعزیز خاں، حافظ ملت کے شاگردوں میں سے ایک تھے۔ انہوں نے پوری زندگی علمی خدمات میں صرف کردی۔ واضح رہے کہ مولانا عبدالعزیز خاں کا وطن اصلی خلیل آباد تھا لیکن انہوں نے نصف صدی سے زائد مدت تک سارن کے مسلمانوں کی علمی رہنمائی فرمائی۔ جامعہ شمسیہ بڑہریا سیوان کے ذریعہ انہوں نے شمالی بہار بالخصوص سارن میں مذہبی علم کا ایسا چراغ روشن فرمایا، جس کی لو مدت دراز تک رہے گی۔ مولانا کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ مولانا عبدالعزیز، بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور، یو۔پی کی اجازت پر سنہ ۱۹۶۵ء میں سیوان تشریف لائے اور گم نام ہستی کو علم کی روشنی سے پہچان عطا کی۔ مولانا عبدالعزیز خاں کو نعمت العلما مولانا نعیم الدین علیہ الرحمہ بہت عزیز رکھتے تھے۔'' [روز نامہ انقلاب، پٹنہ، ۱۶/اپریل ۲۰۱۷ء]

بہرکیف! حضرت کے وصال کی تصدیق کے بعد ان کی کرم فرمائیاں اور احسانات ایک ایک کرکے نہاں خانے میں دستک دینے لگے اور دل اس قدر مغموم ہوا کہ لاشعوری طور پر غالب کا یہ مصرع ذہن میں آگیا کہ کاش: ع

کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

استاذ مکرم کے نام کی شناسائی پہلی مرتبہ دوران طالب علم مدرسہ حیدریہ ضیاء العلوم، منگلاپور، کلیان پور، مشرقی چمپارن میں ہوئی۔ وہاں کے اساتذہ کرام بالخصوص مولانا سید محمد فضل اللہ نوری، صدر مدرس، مدرسہ ہٰذا اور مفتی عطاالرحمان مصباحی، مدرس مذکورہ مدرسہ سے حضرت کا تذکرہ سنتا رہا اور اپنے علاقے میں منعقدہ مذہبی جلسہ کے اشتہارات میں حضرت کا نام باصرہ نواز ہوتا رہا۔ لیکن حضرت کی پہلی بار زیارت ۲۰۰۰ء میں ہوئی۔ مذکورہ مدرسہ میں علم حاصل کرنے کے بعد جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا سیوان حاضر ہوا، تو حضرت کی محض زیارت ہی نہیں ہوئی بلکہ ان کے تلامذہ میں شامل ہونے کا شرف بھی حاصل ہوگیا۔ راقم کی خوش بختی یہ رہی کہ بار بار حضرت کی خدمت کا موقع فراہم ہوا۔ حضرت کا معمول تھا کہ فجر کی نماز سے قبل غسل فرماتے اور اکثر و بیش تر نل سے پانی بھرنے کا شرف خاک سار کو ہی حاصل ہوتا۔ چار پانچ سالہ قیام کے دوران راقم نے حضرت کے اندر یہ خصوصیت بھی دیکھی کہ حضرت اپنے نابالغ طالب علم سے کسی طرح کی مدد نہیں لیتے۔ وضو کے دوران تو وہ بالغ یا نابالغ کسی بھی طالب علم سے مدد نہیں لیتے۔ وضو کا پانی ہمیشہ خود لیتے تھے کسی بھی طالب علم سے وضو کا پانی نہیں منگواتے البتہ حضرت وضو کے پانی کے لیے پہل کرتے تو کوئی نہ کوئی طالب ضرور حضرت کے ہاتھ سے لوٹا لے لیتا تھا۔ پہلے پہل بات سمجھ میں نہیں آئی لیکن جب راقم نے فقہ کی کتابیں پڑھی تو معلوم ہوا کہ وضو میں بلا عذر کسی سے مدد لینا فقہا کے نزدیک مکروہ ہے۔ حضرت یہ کیسے گوارا کرتے کہ ان کا وضو

مکروہات سے پاک نہ ہو۔

حضرت ضیغم اہل سنت سے راقم الحروف نے، پنج گنج، جواہر المنطق، مرقات، شرح تہذیب، قطبی تصدیقات اور شرح وقایہ پڑھی ہے۔ حضرت کے تدریس کا معمول یہ تھا کہ ابتدائی درجات کا طالب علم سے سبق روزانہ سنتے اور آموختہ پر زور دیتے۔ جب کہ اعلیٰ درجہ کے طلبہ کو عبارت خوانی کی ترغیب دلاتے تھے۔ حضرت کے ذمّے ملت کی دیگر ذمہ داریاں تھیں، اس کے باوجود طلبہ کو بلاناغہ پڑھاتے۔ ہاں! اگر کہیں جانا ہوتا تو بعد نماز فجر یا درس گاہ کے اوقات سے قبل ہی ساری جماعت کو بلا کر پڑھا دیتے۔ حضرت اخیر عمر تک درس و تدیس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ ان کی شخصیت یوں منفرد نظر آتی ہے کہ انھوں نے ایک استاد کی حیثیت سے ہی اپنی شناخت قائم فرمائی۔ ہر چند آپ مذہبی جلسوں میں تشریف لے جاتے اور زوردار تقریر کرتے، لیکن آپ نے درس و تدریس کو ہمیشہ فوقیت دی اور تقریر کو ثانوی درجہ دیا۔ درس و تدریس کو عبادت سمجھ کر انجام دیا۔ درس و تدریس کے دوران حضرت اسباق کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی گفتگو فرماتے اور اپنے اساتذہ کرام اور اپنے طالب علمی کے زمانے واقعات بھی بتادیتے تاکہ طلبا کو ان باتوں سے ترغیب ملے۔ یاد آتا ہے کہ حضرت نے اپنے طالب علمی کے دور کا ایک واقعہ سنایا جو خیر سے ان کی شخصیت کے متعلق ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک مرتبہ اشرفیہ میں ایک ایسا ناگفتہ دور آیا کہ حافظ ملت کو ہم اور ہمارے تین ساتھیوں کا اشرفیہ سے خارجہ کرنا پڑا۔ حضرت حافظ ملت نے مجبوراً عارضی خارجہ فرمادیا، لیکن انھوں نے اپنے خط کے ساتھ دارالعلوم علیمیہ دامودر پور مظفر پور بھیجا جہاں ہم لوگوں کا داخلہ ہوگیا۔ وہاں ہم لوگوں نے تین ماہ گزارا پھر اشرفیہ واپس آگئے۔ حضرت ضیغم اہل سنت نے اپنے استاد حافظ ملت کے نقش قدم پر زندگی بھر عمل کرنے کی سعی فرمائی اور وہ اس سلسلے میں کامیاب بھی ہوئے۔ آپ محنتی اور باذوق طلبا کو عزیز رکھتے تھے، محض طلبہ کی تعلیم و تربیت پر ہی نظر نہیں رکھتے بلکہ ان کے خورد نوش کا بھی خیال فرماتے۔ مولانا ثناء اللہ مصباحی سیتامڑھی نے راقم کو بتایا کہ حضرت کی یہ عادت تھی کہ اگر کسی طالب علم کا کھانا گھٹ جاتا یا کم پڑ جاتا تو اپنے حصّے کا کھانا اس طالب علم کو کھلا دیتے تھے اور باہر جاکر کچھ کھا لیتے تھے۔ کبھی کبھار اپنا کھانا طالب علم کو کھلا کر بسکٹ وغیرہ پر قناعت فرمالیتے۔ طلبہ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا گواہ ایک روز راقم بھی بن گیا۔ ایک مرتبہ رات میں راقم مطبخ میں تاخیر سے پہنچا اور حضرت پروگرام سے تشریف لا چکے تھے۔ حضرت کی عادت یہ بھی تھی کہ کھانے کے وقت اگر مدرسہ میں رہتے تو مطبخ میں ایک نظر ضرور ڈال لیتے تاکہ کسی طالب علم کو کھانے کے متعلق شکایت نہ رہے۔ اس روز حضرت حسبِ معمول مطبخ میں تشریف فرما ہوئے اور دیکھ لیا کہ راقم کو روٹیاں کم ملی ہیں، بے چین ہو گئے۔ ادھر راقم نے ان روٹیوں کو تناول کرنا شروع کیا تھا کہ حضرت نے آواز دی۔ میں جب تک ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اس سے قبل ہی آپ نے خاک سار کے کمرہ میں جلوہ فرما ہو کر ایک روٹی عنایت کردی۔ حضرت کے اس عمل سے راقم حیرت زدہ رہ گیا۔

حضرت ضیغم اہل سنت نے جامعہ شمسیہ تیغیہ بڑہریا کے ذریعہ جو علمی خدمات انجام دیں، اس سے انکار ممکن نہیں۔ آپ نے ایک مکتب کو جامعہ بنادیا اور تعلیم کا ایسا ٹھوس نظام قائم فرمایا کہ دور دور کے طلبہ نے یہاں آکر اپنی علمی پیاس بجھائی۔ ایک اندازے کے مطابق یہ بہار کا واحد علمی ادارہ ہے جہاں اشرفیہ کا نصاب رائج رہا۔ بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکشن بورڈ، پٹنہ سے ملحق ہوجانے کے بعد بھی حضرت نے نصاب میں کوئی ترمیم نہیں کی۔ البتہ درس نظامیہ کے لیے حسبِ ضرورت بورڈ سے تنخواہ یافتہ اساتذہ کے علاوہ پرائیوٹ طور پر بھی اساتذہ بحال کیے۔ یہاں واضح کردوں کہ مدرسہ بورڈ کے نصاب کو من وعن قبول کرنے میں بہت سی قباحت تھی اس لیے حضرت نے ترمیم کی۔ پرنسپل اور سکریٹری کے جو خصوصی اختیارات ہیں ان اختیارات کا بھرپور استعمال جامعہ میں کیا گیا۔

استاذ مکرم علّامہ عبدالعزیز خاں قادری علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی انکساری اور صوفیانہ انداز میں گذاری مگر عالمانہ وقار کا بھرپور خیال فرمایا۔ آپ اگر چاہتے تو شاہانہ زندگی گذار سکتے تھے لیکن انھوں نے امیری پر فقیری کو ترجیح دی۔ آپ کی زندگی کا ایک ہی منشا تھا کہ جامعہ شمیہ تیغیہ بڑہریا کا نام روشن ہو اور طلبہ زیادہ سے زیادہ اپنی زندگی کو کارآمد بنائیں۔ حضرت نے جامعہ کے لیے اسکول کی سرکاری ملازمت کے آفر کو چھوڑدیا۔ حضرت نے دوران درس ہی بتایا تھا کہ جب وہ بڑہریا تشریف لائے اور مذہبی خدمات انجام دینے لگے تو بڑہریا ہائی اسکول میں فارسی کے استاد کے طور پر آپ کو بلایا گیا۔ بڑہریا ہائی اسکول کے اس وقت کے پرنسپل اور بہار کے سابق وزیر اعلیٰ

عبدالغفور مرحوم کے ہم درس رفیق ماسٹر خلیل احمد مرحوم نے حضرت سے باربار اصرار کیا، لیکن آپ بڑہریا ہائی اسکول میں نہیں گئے۔ حضرت نے مدرسہ کے حوالے سے عذر پیش کیا تو ماسٹر خلیل احمد مرحوم نے یہاں تک کہا کہ آپ ایک دو گھنٹی ہی درس دیں گے باقی اوقات مدرسہ میں گذاریں گے۔ اس سلسلے میں حضرت نے حافظ ملت سے اجازت طلب کی تو حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اجازت نہیں دی۔ اس کے بعد حضرت نے مکمل طور سے ارادہ ترک کردیا، اور اپنی زندگی کا کل سرمایہ مدرسہ کو سمجھ کر شب وروز ایک کردیا۔

یہ آپ کی انکساری کا ہی نتیجہ ہے کہ دو دو جگہ سے اجازت وخلافت کے باوجود حضرت نے کسی کو بھی مرید نہیں کیا۔ ایک مرتبہ اجازت وخلافت کے سلسلے میں راقم نے حضرت سے سوال کیا تو انھوں نے راقم سے فرمایا کہ اس بات کو ہرگز نہیں لکھیں گے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت نے کسی کو تعویذ بھی لکھ کر نہیں دیا۔ کوئی شخص آپ سے تعویذ کا مطالبہ کرتا تو آپ اس کو مولانا عالمگیر مصباحی کے ہاں بھیج دیتے۔ آپ شہرت کے خواہاں نہیں تھے بلکہ آپ کی خواہش تھی کہ مسلک اعلیٰ حضرت کا پرچم لہرتا رہے اور لوگ اس پرجم کے نیچے اپنی مذہبی زندگی گذارتے ہیں۔ حضرت تصویرکشی کے سخت مخالف تھے۔ کسی بھی جلسے میں اگر تصویرکشی ہوتی تو سخت ناراض ہوتے اور سختی سے اس کو روکتے۔ اس وقت حضرت بار بار یہ فرماتے کہ تصویر لینے والا شخص جلد از جلد تصویر کو مسح کرے ورنہ محشر میں اس کا دامن پکڑوں گا۔ یاد آتا ہے کہ پہلی دفعہ اخبار میں راقم کا پہلا مضمون مع تصویر شائع ہوا، تو حضرت سخت ناراض ہوئے اور نہ صرف تنبیہ فرمائی بلکہ توبہ بھی کروائی۔

ضیغم اہل سنت کا محبوب نظر وہ شخص ہوتا جو اعلیٰ حضرت کا سچا عقیدت مند ہوتا۔ اس کی تعظیم وتوقیر میں حضرت انتہا کردیتے اور جو اعلیٰ حضرت اور دیگر علماے اہل سنت سے بغض رکھتا اس سے دور رہتے۔ البتہ اعلیٰ حضرت کے نام پر فتنہ برپا کرنے والے مولویوں سے آپ کو حد درجہ تکلیف پہنچتی۔ آپ نے علماے اہل سنت کے درمیان واقع اختلاف کے دوران ہمیشہ راہ اعتدال اختیار کی۔ بایں سبب دونوں طبقوں کے علما نے آپ کو محبوب نظر رکھا۔ البتہ مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سلسلے میں منفی نظریہ رکھنے والے افراد کو بروقت ٹوک دیتے تھے۔ اس طرح علماے اہل سنت کے عقیدہ پر عمل پیرا افراد کی تعریف میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ اس قدر ان کو سراہتے کہ وہ شرمندہ ہوجاتا۔

حضرت ضیغم اہل سنت کی علمی اور تعلیمی خدمات کا نتیجہ ہے کہ سارن کمشنری بالخصوص سیوان اور گوپال گنج میں سعودیہ کی وبا اور غیر مقلدیت کی بلاخاص اثر نہیں کرسکی۔ حالاں کہ سیوان اور گوپال گنج کے بہت سارے مسلمان سعودی عرب میں ملازمت کرتے ہیں اس کے باوجود بہار کے دیگر اضلاع کی نسبت ان دونوں اضلاع میں بدعقیدہ لوگ کم ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت محض زبان کے غازی نہیں بلکہ عمل کے غازی تھے، ان کے قول وفعل میں یکسانیت تھی۔ جو کہتے وہی کرتے تھے۔ آپ نے بدعقیدوں سے جنگ محض زبان سے نہیں کی بلکہ آپ نے ایسا کردار پیش کیا کہ بدعقیدہ خود بہ خود زیر ہوتے چلے گئے۔ عصر حاضر میں بدعقیدوں کے خلاف تقریر کرنا ایک فیشن ہوگیا ہے لیکن بدعقیدوں کے مکروفریب سے سنی عوام کیسے محفوظ رہ سکیں، اس سلسلے میں کم علما ہی مخلص ہیں۔ ان مخلص علما میں حضرت کی ذات نمایاں تھی۔ حضرت کے کردار اور حسن تدبیر کی ایک مثال پیش کردوں تاکہ بات ادھوری نہ رہ سکے۔ بڑہریا بازار میں بدعقیدوں نے سعودی کے پیسے سے مسجد بنانی شروع کی تو سنی عوام جذباتی ہوگئے اور تشدد کا مظاہرہ کرنا چاہا تو حضرت نے سنی عوام کو تلقین فرمائی اور تشدد سے باز رکھا۔ پھر کیا تھا سنی مسجد کی تعمیر کے لیے کوشش شروع فرمادی۔ اللہ کے فضل وکرم سے جلد ہی مسجد کی بنیاد رکھی گئی اور دیکھتے دیکھتے ”گلشن طیبہ مسجد“ تیار ہوگئی۔ اب یہ مسجد سہ منزلہ ہوگئی ہے۔

گلشن طیبہ مسجد کے صدر ماسٹر مستقیم صاحب نے باتوں بات کے درمیان ایک دن کہا کہ حضرت اس وقت منع نہیں فرماتے تو بدعقیدوں کی مسجد تیار نہیں ہوتی۔ راقم نے دل ہی دل میں کہا کہ ماسٹر صاحب ایک پہلو کو دیکھ رہے ہے اس کا دوسرا پہلو یہ ہو تا کہ تشدد کے نتیجہ میں سنی عوام بھی ان کے ساتھ ہوجاتے۔ حضرت نے جو فیصلہ لیا وہ صدفی صد صحیح تھا۔ بہرکیف! اب حال یہ ہے کہ اُس مسجد کے نزدیک کے دکان دار بھی اسی مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں۔ وہ مسجد جس حال پر تھی اب بھی اُسی حال پر ہے۔ حضرت نے آخری ملاقات (۱۰ر دسمبر ۲۰۱۶ء) کے دوران تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کہ گلشن طیبہ مسجد نے بڑہریا کے سنی عوام کے ایمان وعقیدہ کو محفوظ کردیا۔ اگر یہ مسجد نہ ہوتی

تو سنی عوام مجبوراً وہابیوں کی مسجد میں جاتے اور ان کے گمراہ کن عقیدے سے ضرور متاثر ہوتے۔ مسجد کی گفتگو چل رہی ہے تو ایک بات اور عرض کردوں کہ کہیں بھی کوئی مسجد تعمیر ہوتی یا مسجد کی زمین رجسٹری ہوتی، حضرت اس پر خاص نظر رکھتے تھے۔ مسجد کی زمین کی رجسٹری کے کاغذات اپنے سامنے لکھواتے یا وقف نامہ خود تیار کرواتے تھے۔ اس میں اس بات پر زور دیتے بلکہ لکھواتے تھے کہ یہ مسجد اہل سنت (بریلوی) کی ہوگی۔ اس مسجد کے امام اور ارکین سنی صحیح العقیدہ (بریلوی) مسلمان ہوں گے۔ کہیں بھی مسجد کی بنیاد رکھنی ہوتی تو حضرت کو بلایا جاتا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تھی کہ سمت قبلہ کی صحیح معرفت رکھنے والا سارن ضلع میں آپ کے علاوہ شاید کوئی دوسرا نہیں تھا۔ سرکاری ملازمت کی وجہ سے چھپرا کے مضافات میں راقم الیکشن کرانے کے لیے جہاں بھی گیا وہاں کے مسلمانوں کو حضرت کا عقیدت مند پایا۔ وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ حضرت ہمارے گاؤں میں تقریر کرنے کے لیے آئے ہیں اور یہاں مسجد کا سنگ بنیاد حضرت نے اپنے دست مبارک سے رکھا ہے۔

حضرت نے اپنے آپ کو مدرسہ اور مسجد کی تعمیر تک محدود نہیں رکھا بلکہ اہالیان بڑہریا کے علمی ذوق کا بھرپور خیال کرتے ہوئے "رضا لائبریری" کا قیام بھی فرمایا۔ اس لائبریری کی دو منزلہ عمارت اور لائبریری میں موجود نادر کتابیں حضرت کے ذوق مطالعہ کی گواہی دے رہی ہیں۔ راقم نے دیکھا کہ فرصت کے اوقات میں کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔ درسی کتابوں کے مطالعہ کے علاوہ مذہبی رسالے اور تقریری، کتابوں کے علاوہ علماے دیوبند کی بدنام زمانہ کتابیں آپ کے مطالعے میں رہتی تھیں۔ تقریری کتابوں میں خطیب مشرق علامہ مشتاق نظامی علیہ الرحمہ کی کتاب "خطبات نظامی" ساتھ میں رکھتے۔

استاد مکرم حضرت علامہ عبدالعزیز خاں قادری علیہ الرحمہ مہمان نواز تھے۔ کوئی بھی شخص مدرسہ میں آتا حضرت ناشتہ چائے سے ضیافت فرماتے اور اس کو مدرسہ، مسجد اور لائبریری وغیرہ کا معائنہ کراتے تھے۔ حضرت اپنے فارغین طلبہ کو بھی مہمانی کا شرف بخشتے تھے۔ ناشتہ اور چائے پر جو بھی رقم صرف ہوتی اس کو اپنی جیب خاص سے ادا کرتے۔ کھانے کا وقت ہوتا تو مہمان کو کھانا کھانے پر مجبور کرتے اور حسب ضرورت ہوٹل سے اچھا سالن منگواتے تھے۔ یہ صورت حال اس وقت تک رہی جب تک آپ کا قیام جامعہ میں رہا۔ آپ کا ذاتی مکان جب تیار ہوگیا تو مہمانوں کو اپنے مکان پر لاتے اور گھر کا کھانا کھلاتے اور خود گھر کا کھانا کھاتے۔ حضرت کی مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ مہمانوں خاص طور پر اپنے شاگردوں کو شرمندہ فرمادیتے۔ ایک مرتبہ کی بات ہے اور یہ بات ماضی قریب کی ہی ہے۔ راقم الحروف شام کے وقت حضرت کی زیارت کی غرض سے جامعہ حاضر ہوا۔ دست بوسی کے بعد حضرت کی خدمت میں تھوڑی دیر رہا۔ حضرت کسی ضرورت کے تحت اپنے حجرہ سے باہر تشریف لے گئے تو میں بھی حجرہ سے باہر آگیا اور دیگر اساتذہ سے ملاقات کے بعد بڑہریا بازار چلا آیا۔ حضرت نے سمجھا کہ راقم جامعہ میں ہی کسی استاد کے پاس ہے اس لیے انھوں نے ناشتہ اور چائے منگوالی اور راقم کو آواز دینے لگے۔ جب کوئی جواب نہیں ملا تو جامعہ میں مجھے تلاشنے لگے۔ جب نہیں پایا تو بڑہریا موڑ کے پاس پروفیسر علی احمد کے مکان پر تشریف لے آئے اور وہاں راقم کو دیکھتے ہی ازراہ شفقت ڈانٹنا شروع کردیا اور فرمایا کہ اپنے آپ کو جامعہ کا طالب علم کب تک تصور کرتے رہیں گے؟ عجب اتفاق کہ مولانا عالمگیر مصباحی کے نزدیک بھی حضرت سے ملاقات ہوگئی۔ حضرت ضیغم اہل سنت، مولانا عالم گیر سے اپنے خاص انداز میں مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ مولانا عالمگیر صاحب، دیکھیے نا! مولانا محمد ولی اللہ ابھی تک اپنے آپ کو طالب علم ہی سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد راقم جب بھی حضرت کے پاس جاتا، ان کی اجازت بغیر ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ یہ واقعہ حضرت کے وصال کے بعد بہ طور خاص یاد آتا ہے کہ ایسا مشفق استاد کہاں سے ڈھونڈ کر لایا جائے؟

حضرت ضیغم اہل سنت کی یہ خصوصیت بھی ہمیں خاص متوجہ کرتی ہے کہ حضرت لین دین کے معاملات میں بالکل صاف ستھرے تھے۔ قیامِ بڑہریا سے آج تک راقم نے کسی سے بھی اس سلسلے میں شکایت نہ سنی اسی طرح جامعہ کے کسی ارکین نے کبھی بھی مال کے خردبرد کا الزام نہیں لگایا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت جامعہ کا ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے۔ کہیں سے چندہ آیا، یا حضرت کے نام جاری رسید مکمل ہوگئی، تو حضرت حساب کتاب کے لیے رسید مولانا ہارون الرشید مصباحی کے حوالے کرتے اور جتنا حساب ہوتا اتنی رقم حیلۂ شرعی کرا کر مولانا افتخار احمد قادری کے حوالے کردیتے۔ ناگفتہ بہ حالات میں بھی مدرسہ کا پیسہ اپنی ذات پر خرچ کیا اور نہ ہی مدرسے سے قرض لیا۔ ایک مرتبہ حضرت کو پیسے کی سخت

ضرورت پڑگئی تو حضرت اس وقت کے سکریٹری جناب محب الحسن کے پاس پہنچے اور ان سے فرمایا کہ آج میں اپنی ضرورت کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ مجھے قرض چاہیے مگر اس شرط پر کہ اگر میں قرض ادا کیے بغیر دنیا سے رخصت ہوجاؤں اور میرے ورثا آپ کا مال واپس نہ کر سکیں تو براہِ کرم معاف کردیں گے۔ اتنا سننے کے بعد سکریٹری موصوف عرض گذار ہوئے کہ حضرت یہ کیا کہ رہیں۔ آپ کو جس قدر ضرورت ہے مال لے لیں۔ یہ واقعہ بتانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اللہ کے فضل و کرم سے بہت جلد میرے پاس مال آگیا اور میں نے سکریٹری صاحب کا قرض ادا کردیا۔ اس پُرفتن دور میں معاملات میں حضرت جیسا شخص ملنا محال نہیں تو ناممکن ضرور ہے۔ کیوں کہ لین دین کے معاملات کے سلسلے میں فی زمانہ ہم عصر علما پر روز بروز سوالات کھڑے کیے جارہے ہیں۔

حضرت صابر و شاکر تھے۔ آخری ایام میں حضرت کو جس قدر قلبی تکلیف دی گئی وہ قابلِ مذمت ہے۔ اور یہ تکلیف عوام الناس کی جانب سے نہیں پہنچی، بلکہ آپ کے شاگردوں اور علما کی طرف سے پہنچی۔ راقم کا اندازہ ہے کہ حضرت نے اپنے جس شاگرد پر جس قدر غیرمعمولی احسان فرمایا اور ان کو ہر مصیبت سے نکالا، اسی نے اس قدر آپ کو ستایا۔ آخری دو ملاقات میں راقم نے حضرت کو بہت رنجیدہ دیکھا تب خیریت دریافت کی تو حضرت کا درد زبان پر آگیا اور فرمایا کہ افسوس کہ مدرسہ پہلے والا نہیں رہا۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ مدرسہ کو سنی عوام سے نقصان نہیں بلکہ علما سے ہورہا ہے۔ آخری ملاقات (۱۰ر دسمبر ۲۰۱۶ء) کو حضرت نے ایک واقعہ بھی سنایا کہ ایک شخص آرا لے کر جنگل میں داخل ہوا تو جنگل کے درخت آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ اب ہماری خیر نہیں، لیکن ایک درخت نے کہا کہ گھبرانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ تھوری دیر کے بعد اس درخت نے بھی اپنے ساتھیوں کی بات دھرائی تو اس کے ساتھیوں نے پوچھا کہ اب بات کیا ہوگئی، تو اس نے جواب دیا کہ پہلے آرا خالی تھا اب لکڑی کے ساتھ ہے اس لیے اب ہماری خیر نہیں ہے۔ پہلے آرا ہماری جماعت سے خالی تھا۔ اب ہماری جماعت کی حمایت اُسے مل گئی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جنازہ میں شرکت کی غرض سے بڑہریا پہنچا تو وہاں کی فضا اور درودیوار نے الطاف حسین حالی کا یہ شعر پڑھنے پر مجبور کردیا :

ایک روشن دماغ تھا ،نہ رہا
شہر میں ایک چراغ تھا ،نہ رہا

جب حضرت کی قبر پر مٹی ڈال رہا تھا تو ایسا محسوس ہوا تھا کہ ان افراد کی قسمت پر بھی مٹی ڈال رہا ہوں جنھوں نے حضرت کی زندگی میں قدر نہیں۔

از: محمد ولی اللہ قادری
استاذ، گورنمنٹ انٹر کالج (ضلع اسکول) چھپرا (بہار)

قاری مجیب اللہ خاں قادری سڑک حادثہ میں جاں بحق

جامعہ رضویہ نور العلوم سول لائن کے استاذ و خطیب اور امام احمد رضا جامع مسجد پرانی تحصیل گیٹ کے امام مولانا حافظ و قاری مجیب اللہ خاں قادری گذشتہ شب ایک خوف ناک سڑک حادثہ میں جاں بحق ہو گئے۔ اس حادثہ میں ان کا چھوٹا بیٹا محمد آصف رضا (۱۴) شدید طور پر زخمی ہوگیا۔ مقامی ڈاکٹروں نے اسے میڈیکل کالج گورکھ پور کے لیے ریفر کردیا۔

موصولہ اطلاع کے مطابق قاری مجیب اللہ خاں قادری گذشتہ شب ۴ر مئی کو اپنے گاؤں پکڑی دکشت کے سالانہ دینی جلسہ میں شرکت کی غرض سے گئے ہوئے تھے، جلسہ ختم ہونے کے بعد وہ واپس مہراج گنج آرہے تھے، موضع ترکلواں کے پاس کسی نامعلوم گاڑی نے ان کی موٹر سائیکل میں زبردست ٹکر ماردی، ساتھ میں ان کا بیٹا آصف بھی سفر کر رہا تھا۔ دونوں سڑک پر گر کر شدید زخمی ہوگئے۔ لوگوں نے اس کی اطلاع ۱۰۰ر نمبر پولیس کو دی، موضع پر پولیس آئی اور انھیں سی ایچ سی پرتاول پہنچایا۔ ڈاکٹروں نے انھیں مردہ قرار دے دیا اور آصف کو میڈیکل کالج کے لیے ریفر کردیا۔ پولیس نے کاغذی کارروائی کے بعد لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دیا۔ مرحوم کے سر، چہرے اور سینے میں شدید چوٹیں آئی تھیں، ان کا ہاتھ بھی ٹوٹ گیا تھا۔ نمازِ جنازہ کا اعلان بعد نمازِ مغرب کیا گیا تھا۔ ان کے ادارہ کے پرنسپل مولانا الحاج محمد معین الدین قادری نے ان کا انتقال ملت بالخصوص جامعہ کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان بتایا۔ مرحوم، نیک، بااخلاق اور نہایت شریف انسان تھے، گذشتہ ۲۳ر سال سے رضا جامع مسجد کے امام بھی تھے۔ مولانا سید علی نظامی، مولانا منور حسین مصباحی مولانا غیاث الدین نظامی، مولانا مطلوب احمد قادری وغیرہ نے مرحوم کی مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعائیں کیں۔

از: نور الہدی مصباحی، مہراج گنج

صدائے بازگشت

حکومتِ ہند کا اہم چھٹیوں کا ردّ کرنا

مدیر محترم ماہ نامہ اشرفیہ   سلام مسنون

ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے اور جہاں ہر ایک ہندوستانی کو دیگر آزادیوں کے ساتھ ساتھ مذہبی امور میں بھی آزادی ملی ہوئی ہے، محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ سے ہر مسلمان محبت کرتا ہے اور آپ جان ایمان و مرکز عقیدت مصدر الفت و محبت ہیں اور بارہ ربیع الاول شریف کو یوم ولادت کے طور پر منایا جاتا ہے اور لوگ جلوس نکالتے ہیں، پروگرام کرتے ہیں اور فاتحہ خوانی کا اہتمام کرتے ہیں اور غریبوں کو رقم یا اناج کی شکل میں کچھ تعاون بھی کرتے ہیں

اور ایسے ہی ہندوستان کے راجہ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بلا تفریق مذہب وملت ہر ہندوستانی عقیدت رکھتے ہیں اور آپ کے مزار شریف پر حاضر بھی ہوتے ہیں اور عرس خواجہ غریب کے موقع پر ہندوستان کے کونے کونے سے زائرین پہنچتے ہیں!

اترپردیش حکومت معروف بہ یوگی حکومت/بی جے پی سرکار نے بارہ ربیع الاول شریف، عرس خواجہ اور جمعۃ الوداع وغیرہ کی چھٹیاں رد کر دیا ہے اور یہ دلیل دی ہے کہ "مشہور شخصیات" کے نام چھٹیاں نہیں دی جا سکتی ہیں! حالانکہ کرسمس ڈے، کرشنا جینتی وغیرہ کے موقع پر ہونے والی چھٹیوں کو رد نہیں کیا گیا ہے! کیا یہ چھٹیاں شخصیات سے تعلق نہیں رکھتی ہیں؟؟؟ در اصل جمہوریت کے چاروں ستون پارلیمنٹ، عدالت، انتظامیہ اور میڈیا پر آر ایس ایس ذہنیت کے لوگوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور اب تو بی جے پی کے لوگ ہر الیکشن میں جیت رہے ہیں تو کچھ لوگ کہنے لگے ہیں الیکشن کمیشن پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا ہے اور واضح رہے کہ آر ایس ایس کی سیاسی پارٹی کا نام بی جے پی ہے جس کا ریموٹ کنٹرول ناگپور ہیڈ کوارٹر کے پاس ہے اور ان کے اہم لوگوں کی ٹریننگ اسرائیل میں ہوتی ہے اور اچھے اچھے عہدوں پر برہمن اور چھتری بنام شرما، مشرا، ترپاٹھی، سنگھ، وغیرہ ہیں اور ابھی دلتوں کو سیاسی فوائد کے لیے اپنے ساتھ کافی حد تک کر چکے ہیں! ان کا نظریہ منوادی ہے یعنی برہمن اور چھتری کو حکومت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اور دیگر ہندو برادریوں کو خدمت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو دوئم درجے کا شہری یعنی غلام بن کر رہنا ہوگا! یہ سوچ صیہونی اسرائیل سے ملی ہے! اب دھیرے دھیرے اسرائیل نے جس طرح فلسطین کے ساتھ کیا اسی طرح یہ ہندوستان میں کرنا چاہتے ہیں اور چھٹیاں رد کر کے کافی حد تک سب کچھ اپنے کنٹرول میں لینا چاہتے ہیں! یہ منظم طریقے سے آگے بڑھ رہے ہیں اور امید سے زیادہ کامیاب بھی ہو رہے ہیں اور دوسری طرف ہم مسلمان بکھرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں، آر ایس ایس کا دماغ بہت ہی شاطرانہ چال چل رہا ہے سب سے پہلے قادیانیوں کو مسلم قرار دے کر ان کو خوش کیا پھر صوفیائے کرام کے تعلق سے بیان دے کر اور دہلی میں تصوف کانفرنس کروا کر صوفی سنی مسلمانوں کو قریب کرنے کی کوشش کی، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یوم ولادت پر مبارکبادی پیش کر کے اور اس کو برقرار رکھ کر شیعوں کو خوش کیا اور اب بارہ ربیع الاول شریف اور عرس خواجہ غریب نواز کے موقع پر ہونے والی چھٹیوں کو رد کر کے وہابی جماعت کے دو فرقے دیوبندی اور اہل حدیث کو خوش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ اس مناسبت سے دونوں چھٹیاں ان کے ناجائز ہے! باقاعدہ آر ایس ایس کی ٹیم ہے جس کا نام ہے "مسلم راشٹریہ منچ" جس میں اسلامی علوم و فنون کے ماہرین کو رکھا گیا ہے جو مسلمان اور ان میں موجود فرقوں کے درمیان اختلافات کا بہت ہی باریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں اور پھر اسی طرح کوشش کرتے ہیں کہ کس طرح بیانات دیے جائیں کہ ان کے درمیان کبھی اتحاد و اتفاق نہ ہو سکے! اور یہ لوگ کافی حد تک کامیاب بھی ہو چکے ہیں اور کچھ سال قبل ایک خبر آئی تھی کہ رام سنگھ نامی سنگھی شخص مشرقی یوپی میں کسی دار العلوم میں شیخ الحدیث بن کر تعلیم دے رہا تھا!

اب وقت آگیا ہے کہ ہمارے مشائخ عظام، علمائے کرام، قائدین حضرات اور عوام اور سیکولر عوام کو جمہوریت بچاؤ تحریک چلانے کی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کو بیدار کر سکیں اور موجودہ اور آنے والے حالات سے لوگوں کو باخبر کر سکیں اور مستقل، مستحکم اور منظم لائحہ عمل طے کریں

✍ محمد عباس الازہری

طلبہ چھٹیوں میں کیا کریں

مکرمی.............................. سلام مسنون

اسکولوں میں گرمی کی تعطیل کلاں شروع ہونے والی ہیں، کچھ بچے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مختلف سرد مقامات کی سیر و سیاحت کے لیے اپنے والدین کے ساتھ نکل جائیں گے اور گھوم پھر

کر دلکش مناظر سے اپنی ذہن کو تازگی بخشیں گے۔

لیکن وہ طلبہ، جو گھر میں رہ کر ہی چھٹیاں گزاریں گے کہیں جانا نہیں ہے تو موضوع تحریر وہی طلبہ ہیں کہ یہ فرصت کے انمول اوقات کہاں؟ کیسے؟ گزاریں؟

اگر ان کے والدین انھیں کھیل کود ہنسی خوشی اور آزادی کے جملہ حقوق چھین کر دن بھر گھر میں چپ چاپ بیٹھنے پر مجبور کر دیں تو چھٹیاں ان کے لیے رحمت نہیں بلکہ زحمت بن جائیں گی۔ اور اگر انھیں ان کی خواہشات کے مطابق بالکل آزاد چھوڑ دیں کہ جو چاہیں کریں، جہاں چاہیں آئیں جائیں، کوئی روک ٹوک نہیں تو پھر چھوٹے بچے والدہ کے لیے دردِ سر بن جائیں گے کیوں کہ باپ تو اپنا اور اہل و عیال کا پیٹ پالنے کے لیے، کاروبار سنبھالنے، کسی ڈیوٹی پر جانے، کوئی ملازمت کرنے، کسی محنت و مزدوری کے لیے صبح جلد ہی گھر سے نکل جاتا ہے۔

اب وہ بچے صبح سے شام تک اپنی والدہ کے گرد و پیش اچھل کود اور شور ہنگامہ کر کے آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں، جسے وہ صاف ستھر کر کے دور نہیں ہوتی اسے وہ گندہ کر کے برابر کر دیتے ہیں کبھی مرتب اور سلیقہ سے رکھی ہوتی ہے اسے دوبارہ بگاڑ کر ویسا ہی کر دیتے ہیں، کبھی لٹکے ہوئے پردے پھاڑ دیتے ہیں، تو کبھی برتن توڑ پھوڑ کر اپنی شرارتوں سے والدہ کو گلے گلے تک پریشان کر دیتے ہیں۔ تو کبھی اس کو چھیڑا، کبھی اس کو رلایا، کبھی اسے مارا، وہ تنگ آ کر ڈانٹ ڈپٹ کر گھر سے باہر بھیجتی ہے تو وہ گلی کوچو ں میں پڑوس کے، بچوں کے ساتھ مل کر اتنی چیخ و پکار، آپس میں گالی گلوچ، مار پیٹ اور ایک دوسرے کو سنگ باری کرتے ہیں کہ کسی بیمار کی بیماری بڑھ جاتی ہے سونے والے بیدار ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کا چین و سکون غارت ہو جاتا ہے۔ گویا کہ راستے، راستے نہیں، بلکہ شیطانی اڈے بن جاتے ہیں، جہاں وہ بدگوئی اور طرح طرح کی بدمعاشیاں کرتے ہیں، سڑکوں چوراہوں پر جمع ہو کر شور و ہنگامہ کر کے آمد و رفت میں خلل انداز ہوتے ہیں اور بے مطلب و مقصد، ادھر ادھر دندناتے ہوئے گھوم پھر کر ٹائم پاس کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے بچے جرائم پیشہ میں زیادہ گرفتار ہیں۔

پھر جب واپس گھر لوٹتے ہیں تو کپڑے پھاڑ کر، یا گندہ کر کے، کبھی اسپتال سے فون آتا ہے کہ تمھارا بچہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے ایکسیڈیٹ کی وجہ ہاتھ پائوں کی ہڈی فیکچر ہو گئی۔ یا کبھی پولیس چوکی سے اطلاع ملی کہ تمھارا بچہ بدامنی پھیلانے، یا سکون و غارت کرنے کے الزام میں گرفتار ہے۔ کبھی پاس پڑوس شکایتیں لے کر آتے ہیں کہ تمھارے بچے نے ہمارا فلاں نقصان کر دیا، اب بچارے والدین کریں تو کیا کریں۔ گھر میں رہیں تو جینا دو بھر کر دیں باہر بھیجیں تو لڑ بھڑ کر شکا یتیں لے کر آ جائیں۔ بچاری ماں کے پاس بارگاہ رب العزمیں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ الٰہی جلد از جلد چھٹیاں ختم ہوں اور اسکولیں کھل جائیں تاکہ مجھے ذہنی طور پر سکون ملے۔

سوال یہ ہے کہ ان مشکلات سے چھٹکارا پانے کیلئے کیا کیا جا ئے؟ کس چیز میں مصروف رکھا جائے کہ ساری پریشانیوں سے نجات بھی مل جائے اور ان کی چھٹیاں بھی بآسانی گزر جائے۔

اس مشکل کے حل کی چند تجاویز پیش کرتا ہوں امید ہے کہ آپ بھی ہم خیال ہوتے نظر آئیں گے۔ انشاءاللہ۔

والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کے لیے چھٹیوں میں ایسے کام کا انتخاب کرے، جو ان کے اخلاق کو درست، تہذیب میں اضافہ جسم کو مضبوط اور صحت کو اچھا کر کے انھیں زندگی کی مشکلات کا سامنا کرنے اور کچھ مال کمانے کا عادی بنا دے۔

واضح رہے کہ کوئی بھی (جائز) کام کرنا عیب نہیں ہے۔ یوروپ کے اندر تو خوش حال گھرانوں کے بچے تعطیلات گرما میں مال کمانے میں ذرا بھی عار محسوس نہیں کرتے، حتی کہ یونیورسیٹیز کے طلبہ بلا جھجھک ہوٹلوں میں پلیٹیں دھونے، اور اخبارات بیچنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ انھیں مال کمانے کی ضرورت ہے۔ جبکہ ان میں کچھ تو وہ ہوتے ہیں جن کے باپ کروڑوں کی جائداد کے ما لک ہیں، بلکہ غرض یہ ہوتی ہے کہ انھیں کمانے کا عادی بنایا جائے، ان میں خود اعتمادی پیدا کی جائے تاکہ آئندہ چل کر وہ اپنے پیروں پر صحیح سے کھڑا ہو سکے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تقلید میں آپ بھی اپنے بچوں کو ہوٹلوں میں پلیٹیں صاف کرنے اور اخبارات فروخت کرنے کے لیے بھیجیں۔

غرض یہ ہے کہ ہر باپ اپنی اولاد کے بارے میں خوب سوچ و بچار کر کے کسی کام پر لگا دے، تاکہ مالی منفعت، نئے تجربے، خود اعتمادی اور حالات زمانہ سے مقابلہ کرنے کا صحیح ڈھنگ اور سلیقہ آ جائے۔

(ا) سب سے پہلے تو غور کرے کہ اس کا بچہ کسی سبجیکٹ میں فیل تو نہیں ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے اسے دوبارہ امتحان دینا ہے۔ اگر ایسا ہے تو باپ پر پہلی ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ وہ اپنے اسباق

دہرانے اورامتحان کی تیاری کرنے کی تاکید کرے۔اب اگراس کی وجہ سے چھٹی کاآرام حرام ہورہاہے تواس کاقصور ہے کیوں کہ وقت پڑھائی نہ سوتاتووقت آرام کام نہ کرناپڑتا۔

(۲)اگر بچہ کامیاب ہے،اس پر امتحان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے،سارے معاملات ٹھیک ٹھاک ہیں،توباپ کوچاہیےاسے علم وعلماکی مجلس میں بھیجے۔یااسلامی اخلاق وآداب کی کوئی کتاب مطالعہ کرنے کے لیے دے۔آجکل ہندی،اردو میں اس طرح کے بہت سے رسالے ،کتابچے ملتے ہیں مثلا:دعوت اسلامی کے چھوٹے چھوٹے رسالے ہر عنوان پر کئی زبانوں میں دستیاب ہیں اوران کی قیمت بھی ۷-۸روپے معمولی ہے۔جنھیں کوئی بھی بآسانی خرید کہ پڑھ سکتاہے۔

اس صحبت بابرکت کی وجہ سے نیک اور اللہ سے ڈرنے والا مومن بن جائے گا۔نیز دیگر اخلاقی برئیاں مثلا: جھوٹ، غیبت، چغلی، چوری،ڈکتی،خیانت والدین کی نافرمانی وغیرہ سے دور ونفور ہوگا۔

(۳)اکثر جگہیں سمر کلاسیز بھی لگائی جاتی ہیں جہاں اسلامی معلومات سکھائی جاتی ہے توان میں بھی شرکت کرے۔

(۴)اگر ایسانہ ہوسکے توبہراس ناچیز(محمد رفیق مصباحی)کی ناقص رائے یہ ہے کہ آپ اپنے بچوں کودعوت اسلامی کے مدنی قافلوں میں،۳\ دن،۱۲/دن تیس دن کے لیے ضرور بھیجیں،اس میں انھیں بہت کچھ سکھنے کوملے گامثلا:غسل وطہارت،نمازوروزہ وغیرہ کے مائل،کھانے پینے کے آداب،بڑوں کا ادب والدین کی فرماں برداری وغیرہ سیکھے گا،سنتوں پر عمل،نماز کاپابند بننے کامدنی ذہن بنے گا،برائیں سے نفرت کرکے نیک بننے کی پیری سوچ پروان چڑھے گی،اب ان میں ایسی خوشگوار تبدیلی پیداہوگی کہ آپ کی انکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی۔

(۵)اگر یہ بھی نہ ہوسکے توکم ازکم اپنے علاقے میں ہونے والے ہفتہ واری سنتوں بھرے اجتماع میں خود بھی جائیں اور ساتھ میں اپنے لعل کوبھی لے جائیں۔یہ ایسے تیز ہدف نسخے ہیں کے اگر انھیں صحیح طور پراستعمال کرلیے گئے توآج کل اکثروالدین کی اپنی اولاد کے تعلق سے جو شکایت رہتی ہے کہ ”وہ کہنا نہیں مانتی“،”آوارہ ہوگئی“،”کماتانہیں“ ”سیدھے منہ سے بات نہیں کرتا“وغیرہ تو یقینا!اس سے ساری شکایتیں دور ہوجائیں گی میں آپ کوبطور مثال بہت سے ایسے لوگ گناسکتاہوں جواپنی اولاد کے سدھرنے سے بالکل مایوس ہوچکے تھے،انھوں نے ہر طرح کے فارمولے ونسخے آزمالیے تھے،لیکن کہیں بھی کوئی سدھرنے کی کرن نظر نہیں آتی آخر کارانھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

مگر دعوت اسلامی کے قافلوں میں سفر کرنے کی برکت سے انھیں ایساموم کیاکہ والدین کے بڑے ہی فرماں بردار اور نیک بن گئے۔اب ان کے یہ تاثرات تھے کہ اب تک ہم نے جو زندگی گزاری وہ برباد کی ہے۔اب ہمیں پتہ چلا ہے کہ زندگی کیسے گزارنا چاہیے۔والدین یہ کہتے نظر آئے کہ ”ہمارے درد کا کانٹانکل گیااور ہم ذہنی طور پر پرسکون ہوگئے“ ایسا معلوم ہوتاہے کہ ہمیں کوئی گمشدہ دولت مل گئی۔

اس کے علاوہ یہ بھی فائدہ ہوگاکہ آج عموماًمسلم بچے غیراسلامی اسکولوں میں پڑھ کرآگے پڑھتے ہیں۔افسوس ہمارے پاس کوئی اسلامی اسکولیں نہیں جس کا بھاری نقصان یہ ہورہاہے کہ ہمارے بچے فکری ارتداد کاشکار ہورہے ہیں۔پھر بھی ہم اس طرف توجہ نہیں دیتے اے کاش!ایسی سوچ پیداہوجائے اور کوئی دردمند قوم کے بچوں پر رحم کھا ئے۔میری اس بات پر سنجیدگی سے غور کرے کہیں ایسانہ ہوکہ کل ہمیں کف افسوس ملناپڑے جب ہماری اولاد ہاتھوں سے نکل جائے۔کیا اب بھی آنکھیں نہیں کھلیں گی جبکہ اسکولوں میں سوریہ نمسکار کاقانون لگا یاجارہاہے،جئے بھارت ماتابولنالازم قرار دیاجارہاہے،حتی کہ گجرات میں کئی اسکولوں میں یہ فیصلہ لیاگیاہے کہ جواپنے فارم پر ”جئے بھارت ماتا“ نہیں لکھے گااسے ایڈمشن ہی نہیں ملے گااور یہ بات توآپ روز دیکھ رہے ہیں کہ غیر اسلامی اسکولوں میں پڑھنے والا بچہ ”السلام علیکم“کی جگہ ”گڈمارننگ“اور ”فی امان اللہ“کی جگہ ”ٹاٹابائے بائے“کہناسیکھتے ہیں اسلامی معلومات ان کے پاس بالکل نہیں ہوتی نتیجتاًگھر کے چراغ سے گھر کوآگ لگاتے ہیں اور غیروں کے افکار وخیال سے متاثر ہوکر،اسلامی حدود تعدد ازدواج پردہ،وطلاق وغیرہ پر اعتراض کرتے ہیں اور اہلسنت وجماعت اور دیگر باطل فرقوں کے درمیان تمیز نہیں کرپاتے اور جن معمولات وعقائد پر،سواداعظم چودہ سوسال سے کابندس،جوصحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مسلک ومشرب رہاہے اس کوچند سرپھروں کے چکر میں آکر، بدعت گردانتے لگتے ہیں۔ایسے بچوں کے لیے دعوت اسلامی کے مدنی قافلوں میں سفر کرنا،یقینا!ان کے ایمان وعمل کی حفاظت کاضامن ہے۔اپنے پیارے مذہب کوسمجھنے کاموقع ہے۔

آپ سے التجا ہے کہ کم از کم صرف ایک بار ہی مدنی قافلے میں اپنے بچوں کو سفر کرائیں پھر دیکھیے اس کی کتنی بہاریں ظاہر ہوتی ہیں !کتنا سیکھنے کو ملتا ہے!کتنوں کی بگڑی بنی ہے !کتنے شرابیوں ،جواریوں ،چوروں ،فلم ایکٹروں نے سچی توبہ کرکے نیک اور دین کے مبلغ بنے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں دردمندوں کے درد کا مداوا ہے، بے قراروں کا قرار ہے۔ بہر حال میں کافی دور نکل آیا اب واپس اپنے موضوع کی طرف لوٹتا ہوں۔

اپنے بچے کے لیے کوئی ایسا مناسب کام یا پیشہ تلاش کرے جس کی وجہ سے وہ بجائے ادھر ادھر گھومنے کے اس میں مشغول ہوجائے۔ مثلاً: کسی پریس میں ،چھپائی ،یا ٹائپنگ یا کوئی بھی دوسرا الیکٹرانک یا غیر الیکٹرانک کام سکھادے ،مگر پورے دن مشغول نہ رکھے بلکہ آدھا دن ہی مصروف رکھے اور باقی آدھا آرام کے لیے چھوڑدے۔

(۶) باپ اگر تاجر ہے تو اسے اپنے ساتھ دکان لے جائے اور اسے خرید وفروخت کے اصول وضوابط سکھائے

(۷) باپ کسان ہے تو اپنے ساتھ کھیت لے جاکر زراعت (کھیتی) کی زندگی میں رغبت دلائے اور حسب طاقت وہمت کام کا مکلف بناکر اس کی کچھ اجرت مقرر کردے

(۸) کسی فیکٹری، کارخانہ ہوٹل وغیرہ مشغول کردے

(۹) اگر باپ خوشحال ہے، وہ اپنے بیٹے کو کوئی پیشہ سکھانا نہیں چاہتا ہے تو آج کل شہروں وغیرہ میں پبلک لائبریریاں موجود ہیں وہاں جانے کا عادی بنائے حاصل مطالعہ قلم بند کرنے کی بھی تاکید کی جائے، اس سے معلومات میں اضافے کے ساتھ لکھنے کا بھی شعور آئے گا۔

ان کاموں میں مصروف کرنے کا مقصد صرف مال کمانا ہی نہیں ہے بلکہ چھٹیوں میں تضیع اوقات سے بچانا، کام کا عادی بنانا، زندگی کا مشکلات کا سامنا کرنا اور خود اعتمادی پیدا کرنا ہے ورنہ بچے آج کل وبالے عام یعنی ملٹی میڈیا انڈروائڈ موبائل میں انٹرنیٹ ،واٹس ایپ، فیس بک، ٹوٹر وغیرہ کو مفید کاموں میں کم اثر ڈالے گا اور کل آپ خود ہی یہ کہتے نظر آئی گے کہ: ”میرا بچہ میرے ہاتھ سے نکل گیا“ پھر یہ کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہر ایک کو نوکریاں بھی نہیں ملتیں۔ یقینا! انھیں کوئی کام کاج سنبھالنا ہے، کوئی کاروبار کرنا ہے۔ توجب ابھی سے عادت بنی رہے گی تو بعد میں چل کر پریشانیاں اٹھانی نہیں پڑیں گی اور نوکری یا ملازمت نہ ملنے پر دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے بجائے اپنا دھندا سنبھال لے گا۔ مگر بہت سے خوشحال گھرانے کے بچے، اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہمیں کما کر کیا کرنا ہے؟ ہمارے باپ تو کروڑ پتی ہیں اتنی جائداد اور پراپرٹی کے مالک ہیں کہ ہم زندگی بھر نہ بھی کمائیں گے تب بھی آرام سے بیٹھ کر کھاسکتے ہیں پھر کسی ہنر یا فن سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

یقینا! ایسے بچے غلط فہمی کے شکار ہیں کیوں کہ آج نہیں تو کل جب ان کے باپ کی آنکھیں بند ہوجائے گی تو اس کا کاروبار کو کیسے سنبھالے گا جسے باپ نے چھوڑا ہے۔ نہ تجربہ ہے نہ کام میں لگن، نہ خود اعتمادی نہ اہلیت پھر جلد ہی اپنے باپ کی جمع شدہ ساری پونجی چند ہی دنوں میں ہاتھ سے کھو کر لکیر کا فقیر بن جائے گا۔ جیسا کہ مشاہدہ بتاتا ہے کہ جن کے باپ کروڑوں کی جائداد کے مالک تھے مگر جب ان کی آنکھ بند ہوئی تو اپنی نااہلیت ،سستی ناتجربہ کاری کی وجہ سے جمع شدہ ساری پونجی ختم کرکے روڑ پہ آگئے۔

عزیز طلبہ ! آپ بھی تجارتی واقتصادی اصول وگر اور کوئی ہنر سیکھیں تاکہ آپ اپنے پاؤں پر صحیح طور سے کھڑے ہوجائیں۔

اب رہی یہ بات کہ لڑکیاں کیا کریں ؟ تو وہ بھی کوئی ہنر یا فن سیکھ سکتی ہیں مثلاً سلائی، کشیدہ کاری، یا کسی مبلغہ یا معلمہ کی صحبت اپنالے اور اس سے اپنی ضرورت کے مسائل وغیرہ سیکھیں، جہاں عورتوں کے اجتماعات ہوں تو اس میں اپنی شرکت کو لازم وضروری سمجھیں۔

آج ہم ہر چیز میں اہل یورپ کی اندھی تقلید کرتے ہیں: اوڑھنے، پہننے ،بولنے، چلنے، تعلیم، تہذیب اور ہر اس چیز میں جو ہمارے اخلاق وعادات کو بھات کو بگاڑدے بچوں کو بے حیا وبے ادب بنادے عریانیت وبے پردگی کو کردے۔ مگر ہم ان کی اچھی چیزوں کی تقلید کیوں نہیں کرتے؟

کچھ باپ کہتے ہیں کہ کیا میں اپنے بچے کو محنت ومزدوری کے لیے بھیجوں گا؟ میں تو یومیہ خرچ کرنے کے لیے ایک ہزار روپے دیتا ہوں تو پھر دن بھر چار سو پانچ سو کے لیے کیوں تکلیف دوں؟

یقینا! ایسے باپ اپنی اولاد کو ناکارہ، آرام پسند، سست بنادیتے ہیں جسے نہ تو مال کی اہمیت ہوتی ہے نہ وہ خود اعتمادی کا راستہ جانتا ہے۔

ہاں مگر جب وہ خود کمالے گا تو اس کی قدر ومنزلت اسے اتنی ہوگی جتنی ہزار روپے کی بھی نہیں ،اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ اپنی اولاد کو کسی لائق بنانا چاہتے ہیں یا اپاہج ومفلوج۔ از: محمد رفیق مصباحی

دار العلوم فیضان اشرف، باسنی، ناگور، راجستھان

--*---*---*--

روداد چمن

دفتر جامعہ اشرفیہ بھیونڈی میں
حافظ ملّت کانفرنس

حافظ ملّت نے جو درس گاہ قائم کردی ہے وہ صدیوں تک مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کرتی رہے گی: مولانا قمر الزماں

بروز جمعہ ۲۱/اپریل سنی جامع مسجد کوٹر گیٹ میں دفتر الجامعۃ الاشرفیہ بھیونڈی اور تنظیم علمائے اہل سنّت کی جانب سے الجامعۃ الاشرفیہ (مبارکپور یوپی) کے بانی، حضور حافظ ملّت محدث مرادآبادی حضرت مولانا عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی دینی وعلمی خدمات کے اعتراف میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی گئی جس میں عالم اسلام کے معروف عالم دین مولانا قمر الزماں اعظمی (جنرل سیکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن) کو مدعو کیا گیا تھا۔ مولانا موصوف نے حضور حافظ ملّت کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ حضور حافظ ملت کی ذات بے شمار صفات کی حامل تھی اور ان کے علم وفضل، تقویٰ وپرہیز گاری، خوف وخشیت، دعوتی وتبلیغی کام، اخلاق وکردار، امّت کی خیر خواہی کا جذبہ ہر ایک موضوع پر گھنٹوں گفتگو کی جاسکتی ہے۔ آپ نے مبارک پور کی سرزمین پر جو عظیم درس گاہ قائم فرمائی ہے آج اس کے فارغین دنیا کے اکثر ممالک میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور مصباحی حضرات نے دنیا بھر میں مدارسِ دینیہ کا جال بچھا کر مذہب اسلام کو استحکام بخشا ہے اور اس طرح سے پوری دنیا میں اس درس گاہ کے فارغین امّت مسلمہ کی رہنمائی اور قیادت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

مفکر اسلام نے حضور حافظ ملّت کے اخلاق وکردار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا اخلاق ایسا تھا کہ ان کا ہر شاگرد یہ سمجھتا تھا کہ حضرت سب سے زیادہ مجھے چاہتے ہیں اور ایک خاص بات یہ تھی کہ حضور حافظِ ملّت علم دین کے حاصل کرنے والے طلبہ کا بے پناہ احترام فرماتے تھے، طلبہ کو کبھی 'تم' کہہ کر مخاطب نہیں فرماتے بلکہ ہمیشہ 'آپ' کہہ کر مخاطب فرماتے، ان کی ناز برداری فرماتے تھے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، وہ ایسے مربی تھے کہ ان کی صحبت میں رہ کر لوگ علم کے آفتاب وماہتاب بن گئے۔

مفکر اسلام نے حضور حافظِ ملّت علیہ الرحمہ کا پیغام یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "اتحاد زندگی ہے اختلاف موت ہے" اور وہ کبھی اختلاف کو پسند نہیں فرماتے تھے، اگر کہیں کوئی اختلاف ہوجائے تو اُسے حُسنِ تدبیر سے ختم فرمادیتے۔

مولانا قمر الزماں اعظمی کی تقریر سے پہلے مولانا محمد یوسف رضا قادری (بانی مسلم یونیٹی فاؤنڈیشن) نے مفکر اسلام کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ مفکر اسلام علما کی صفوں میں اپنی بعض خصوصیات کی بنیاد پر ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ اس وقت آپ دنیا کے کئی ممالک میں ورلڈ اسلامک مشن کے تحت دینی خدمات میں منہمک ہیں اور آپ کے ذریعے کئی ممالک میں درجنوں مسجدیں تعمیر ہوئیں، ادارے بنائے گئے۔ آپ اخلاص واخلاق کے پیکر ہیں۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے مفکر اسلام کے حُسن اخلاق اور اعلیٰ کردار کے کچھ واقعات لوگوں کو سنائے۔

اس کانفرنس میں نبیرۂ حضور حافظِ ملت حضرت مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ الجامعۃ الاشرفیہ کی پہچان ہم سے نہیں ہے بلکہ ہماری پہچان اشرفیہ سے ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ کی بنیاد رکھی اور برصغیر ہی نہیں بلکہ پورے براعظم پر اشرفیہ کا علمی فیضان جاری ہوا اور آج تمام درس گاہیں اور خانقاہیں حافظ ملّت کے فیضان سے مالا مال ہورہی ہیں اور ہوتی رہیں گی ان شاء اللہ۔

مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی کی حیلۂ شرعی کے جواز پر لکھی ہوئی کتاب کا رسمِ اجراء بھی مفکر اسلام اور مولانا نعیم الدین عزیزی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ نظامت کے فرائض حضرت مولانا محمد اکرم اشرفی مصباحی نے انجام دیے۔ کانفرنس میں بڑی تعداد میں علمائے کرام تشریف لائے جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد مبشر ازہر مصباحی، مولانا مقصود عالم رضوی، مولانا سید محمد اسلم چشتی، مولانا غلام مصطفیٰ، مولانا شمشیر عالم رضوی، مولانا شمشاد نوری، حافظ محمد دانش بوبڑے، مولانا منظور عالم، مولانا کبیر الدین نوری، مولانا شمیم احمد، مولانا محمد رفیق، مولانا اظہار احمد قادری وغیرہ۔

صلوٰۃ وسلام اور مفکر اسلام کی دعا پر اس کانفرنس کا اختتام ہوا۔

از:- محمد اکرم اشرفی مصباحی، ناظم اشرفیہ دفتر بھیونڈی

خیر و خبر

مولانا مبارک حسین مصباحی کو احباب نے دی مبارک باد و درازی عمر کی دعا

شہزادۂ محدث اعظم ہند شیخ الاسلام حضور سید شاہ محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی جانشین حضور محدثِ اعظم ہند کی جانب سے مفکر اسلام مفتی مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ وچیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کو بموقع عرس محدث اعظم ہند خلافت واجازت سے نوازے جانے پر احباب نے مفتی موصوف کو صمیم قلب سے مبارک باد پیش کرتے ہوئے صحت وسلامتی اور درازۂ عمر کی دعائیں دی۔ مبارک باد پیش کرنے والوں میں مولانا محمد نعیم الدین عزیزی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مفتی زاہد علی سلامی، مولانا محبوب عزیزی مولانا حسیب اختر مصباحی، مولانا محمد اسلم مصباحی، حافظ ریاض احمد، مولانا جاوید چشتی، مولانا ابو شکیل مصباحی وغیرہ کے علاوہ دیگر احباب بھی شامل ہیں۔ واضح رہے کہ ماقبل میں ہونے والے دوروزہ عرس محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف کے پر بہار موقع پر مولانا مبارک حسین مصباحی بارگاہ مخدوم ملت میں حاضر ہوئے، حضور شیخ الاسلام سید شاہ محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی نے خصوصی طور پر مولانا موصوف کو اپنے ہجرۂ خاص میں بلواکر دیگر مشاہیر علمائے کرام کی موجودگی میں خلافت واجازت سے نوازنے کے ساتھ ہی تقریبا ایک گھنٹہ تک مختلف موضوعات پہ گفتگو کرتے ہوئے مولانا موصوف کی صحت وسلامتی کی دعا بھی فرمائی، اور خدام کو حکم دیا کہ مولانا محترم کو کھانا سے فراغت کے بعد پروگرام میں لے جائیں کیوں کہ عرس پاک کے اجلاس میں سب سے پہلی تقریر مولانا کی ہی ہوگی، اس کے بعد ہی مولانا یہاں سے واپس ہوں گے۔ حضور شیخ الاسلام سے شرف ملاقات کے بعد صاحب سجادہ فاضل بغداد حضرت مولانا حسن عسکری اشرفی جیلانی سے شرف ملاقات سے سرفراز ہونے کے بعد فوراً ہی کھانا سے فراغت حاصل کی، اور حضور شیخ الاسلام کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مولانا مبارک حسین مصباحی اسٹیج پر پہنچے جہاں مولانا موصوف کا پر جوش استقبال ہوا بعدہ ناظم اجلاس نے مولانا مبارک حسین مصباحی کو دعوت خطابت دیا مولانا نے تقریبا ایک گھنٹہ محدث اعظم ہند کی حیات وخدمات پر نہایت ہی عمدہ خطاب نایاب کیا پھر بعد اجازت شب میں تقریبا بارہ بجے اشرفیہ مبارک پور واپس ہو گئے۔

نوٹ: تفصیلی رپورٹ انشاء اللہ جلد ہی پیش کی جائے گی۔

از: محمد رحمت اللہ مصباحی

آل انڈیا تبلیغ سیرت کے زیر اہتمام ’دورِ حاضر میں در پیش مسلم مسائل‘ پر سیمینار

کبھی کبھی ہماری غفلت اور ہمارے بدخواہوں کی وجہ سے تاریخ کو اِس طرح پیش کر دیا جاتا ہے کہ حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں اور پھر پست حوصلہ کو بحال کرنے میں برسوں لگ جاتے ہیں اور تاریخی سچائی یہ ہے کہ ہمارے ساتھ یہ حادثہ بارہا پیش آتا رہا ہے لیکن تقریبًا ایک ہی دور میں ایران کی صفوی امارت، ترکی سے عثمانی خلافت اور ہندوستان سے مغلیہ سلطنت و حکومت کے زوال کے وقت جو حادثہ پیش آیا، اس کی چوٹ اور کسک آج بھی محسوس کی جاتی ہے۔ اسی حادثے کے پیش نظر مسلمانوں کے سیاسی، عسکری، صنعتی اور معاشی زوال کو ہمارے بدخواہوں نے ہماری تہذیب وثقافت کا زوال لکھ دیا جس کو اب تک نقل کیا جارہا ہے حالاں کہ ہماری ثقافت اب بھی بحال ہے اور ہماری ایمانی حرارت اب بھی باقی ہے۔

اردو اکیڈمی مغربی بنگال کے ابوالکلام آزاد ہال کولکاتا میں آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال کے زیر اہتمام سیمینار میں صدر اجلاس مولانا ڈاکٹر سجاد عالم رضوی مصباحی (پریسیڈنسی یونیورسٹی) نے یہ خلاصہ پیش کیا۔ انہوں نے ”جدید ہندوستان میں مسلم نوجوانوں کی کردار سازی اور مسلم قیادت کے فقدان“ پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اِس سازش میں ہمارے دشمن اس لیے کامیاب ہو گئے کیوں کہ ہم خود بھی اس بے بنیاد تاریخ سے مرعوب ہو کر اپنی شناخت اور تعارف اسی طرح کرنے لگے، حالاں کہ تہذیبی ثقافت کا زوال ہوتا تو پھر دنیا کے نقشے پر ۵۵ / سے زائد مسلم ممالک کا وجود نہیں ہوتا، نہ کسی جگہ ہم کسی حیثیت میں ہوتے۔

مہمان خطیب مولانا مقبول احمد سالک مصباحی نے ”سوشل میڈیا پر جذباتی سرگرمی کے نتائج“ پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ صرف اظہارِ خیال کا پلیٹ فارم ہے اور بہت حد تک اپنے کو مختلف رنگ وآہنگ میں پیش کرنے کی جگہ ہے، میدان عمل ہرگز نہیں۔ عمل کی زمین ہمارا خاندان، معاشرہ اور ملک وملت ہے کیوں کہ قدرت بھی ہماری حالت کے بدلنے کا ذمہ اِسی شرط پر لیتی ہے جب ہم خود بدلنے اور خوش حال ہونے کو تیار ہو جائیں تو پھر حکومت اور سرکاریں کب ہمارا بھلا کرنے والی ہیں؟ اور سوشل میڈیا پر بحث بازی مسلم مسائل میں ہر دن ایک مسئلے کا اضافہ ہے، اسی لیے آج امت مسلمہ، امت مسئلہ بن گئی ہے۔

قائد اجلاس مفتی مجاہد حسین حبیبی نے قرآن کریم کی تلاوت سے اجلاس کی ابتدا کی اور مہمانوں کا خیر مقدم اور استقبال کیا۔ ماہ نامہ کنزالایمان دہلی کے ایڈیٹر مولانا محمد ظفر الدین برکاتی نے نعتوں کے گلدستے پیش کیے اور نظامت کے فرائض

انجام دیے۔ مولانا آزاد کالج کے ایسوسی ایٹ پروفیسر جمیل احمد صاحب نے ''مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی۔ کمی کہاں رہ گئی ہے؟'' پر بات کرتے ہوئے کہا کہ کمی ہمارے اپنے اندر رہ گئی ہے اور ہم نے اپنی نئی نسل اور نوجوانوں کی رہنمائی بند کردی ہے اور تعلیم کو تجارت بنا کر رکھ دیا ہے اور یہ غلط ہے کہ مسلمان، تعلیمی پس ماندگی کا شکار ہے۔ ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ گذشتہ پچاس سالوں کے مقابلے میں آج اکیسویں صدی کا مسلمان اور مسلم نوجوان بڑی تیزی سے تعلیمی ترقی کیے جارہا ہے اور جو خامی اور کمی ہے، وہ ہماری مثبت رہنمائی کی ہے اور بس۔

آل انڈیا تبلیغ سیرت کی طرف سے مسلم نوجوانوں کی ہمہ جہت رہنمائی اور تعلیم وتربیت کے لیے جو اقدامات کیے گئے ہیں، اُن کا تعارف کراتے ہوئے ناظم اجلاس محمد ظفرالدین برکاتی نے اعلان کیا کہ بہت جلد ایک رسالہ ''کامیابی کی راہیں'' کے نام سے منظر عام پر آرہا ہے جس کی تیاری مکمل ہوچکی ہے۔ اس میں بیس آئی ایس، آئی پی ایس ریٹائرڈ اور موجودہ افسران کی تجرباتی تحریریں اور انٹرویو کا خاص گوشہ انتہائی معلوماتی اور حوصلہ بخش ہے۔ دوسری پیش قدمی اسلامک سمر کلاسیز ہے جس کی شروعات آئندہ پیر منگل سے ہورہی ہے۔ تیسری پیش قدمی اسلامی تربیتی کورس ہے جو ماہ رمضان کے فوراً بعد ہوتا ہے۔ اِس سال ایک بڑی پیش قدمی یہ ہوئی ہے کہ سبھی مطبوعہ کتابوں کا ایپ بھی 'تبلیغ سیرت' کے نام سے تیار ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھارہے ہیں۔ مسلم مسائل پر اتنا سنجیدہ سیمینار اور سمپوزیم بھی انہی اقدامات کا حصہ ہے جس کو آئندہ بڑے پیمانے پر کرنے کا ارادہ ہے۔ سیمینار کے سرپرست حضرت الحاج مدثر حسین حبیبی نے بھی اپنے تجربات بیان کیے اور اپنی دعاؤں پر محفل کے ختم ہونے کا اعلان کیا۔ سیمینار میں ہوسٹل مسجد کے امام مولانا نعمت حسین حبیبی، مولانا آزاد کالج میں شعبہ عربی کے پروفیسر ڈاکٹر صدر الاسلام، ڈاکٹر محمد نظام الدین مصباحی، احسان علی عرف پپو بھائی، پرویز عالم صاحب، سید ہاتف صاحب، سرفراز احمد حبیبی، بشیر احمد خان، مولانا فیض احمد مصباحی، مولانا امتیاز احمد مصباحی، مولانا اکبر علی برکاتی، حاجی رفیق احمد برکاتی اور دیگر صاحبان بڑی تعداد میں موجود تھے۔

از: شعبۂ نشر واشاعت آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال

آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال کے زیر اہتمام ''تعمیر ملت کانفرنس' و دستار بندی

(کولکاتا، توپسیا، ۱۶/ اپریل ۲۰۱۷ء) یہ انسانی تاریخ کا انوکھا حادثہ ہے کہ ہم اپنی درماندگی، پس ماندگی اور کم خواندگی کا مرثیہ خود پڑھ رہے ہیں اور سچائی یہ ہے کہ یہ کہنا بڑا عجیب لگتا ہے کہ قوموں کی امامت ہمارا شیوہ اور شناخت ہے، اس لیے کہ ہم نے قیادت اور پیشوائی کی حیثیت کھودی ہے۔ اُس کی وجہ صرف اور صرف علم وعمل اور تعلیم وتربیت سے دوری ہے اور بس۔ آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال کے زیر اہتمام توپسیا میں منعقد سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کی ''تعمیر ملت کانفرنس'' میں خصوصی خطیب مولانا مقبول احمد سالک مصباحی (دہلی) نے اِس حقیقت کا اعلانیہ اعتراف کیا۔ مولانا مصباحی نے کہا کہ دوستو! ہماری ملت، محمدی ملت ہے جس کا مزاج ابراہیمی ہے جو خلیلی کردار وعمل کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی اپنی اولاد کی دینی تربیت اور عصری تعلیم کو خلیل بنالیں پھر ملت محمدی کی تعمیر وترقی یقینی ہے۔ حافظ محمد جسیم دلکش اشرفی نے قرآن حکیم کی تلاوت سے اجلاس کا آغاز کیا۔ صدر اجلاس اور کانفرنس کے کنوینر مفتی مجاہد حسین حبیبی نے مہمانوں اور موضوع کا تعارف کراتے ہوئے خیر مقدمی کلمات کہے اور تبلیغ سیرت کے ذریعہ ہوئی ریلیف خدمات اور تعلیمی، رفاہی اور تعمیری اقدامات کی روداد پیش کی۔ حسنین مسجد کے نائب امام مولانا حبیب الرحمن حبیبی نے ''نماز کی فرضیت وفضیلت'' اور مدرسہ مدینۃ العلوم کے استاد مولانا طارق ناظمی مصباحی نے ''علم کی اہمیت اور تعلیم کی ضرورت'' پر افتتاحی خطاب کیا۔ ناظم اجلاس محمد ظفرالدین برکاتی مدیر ماہ نامہ کنز الایمان دہلی نے کہا کہ اگر ماں کی گود پہلا مدرسہ ہے تو باپ اُس مدرسے کا بانی وناظم اور نگراں ہے۔ ہم لوگ دینی مدرسوں کے ناظم ونگراں کی ذمے داری پر انگلی اٹھاتے ہیں لیکن خود بھولے بیٹھے ہیں کہ ہم بھی قدرتی طور سے باضابطہ اپنے اپنے گھریلو مدرسے کے ناظم ہیں۔ یاد رکھیں کہ ملت کی تعمیر، فرد کی تعمیر پر منحصر ہے، اس لیے ہر فرد، اپنے گھریلو مدرسے کی نظامت اور نگرانی درست کرلے، تعمیر ملت کی بنیاد پڑجائے گی۔

اجلاس کی سرپرستی خلیفہ حضرت مجاہد ملت، حضرت الحاج مدثر حسین حبیبی نے فرمائی اور تعمیر ملت کی بنیادی ضرورتوں اور تقاضوں پر عوامی لب ولہجے میں بات کی۔ خلیفہ مجاہد ملت نے فرمایا کہ عزت کی زندگی، سب سے اچھی زندگی ہوتی ہے اور عزت مال سے حاصل ہو کہ نہ ہو، علم وعمل اور تعلیم سے ضرور حاصل ہوجاتی ہے، اسی لیے استاذی بلکہ پڑھانے لکھانے کا پیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کانفرنس کے دوسرے خطیب پریسڈنسی یونیورسٹی کولکاتا میں شعبۂ تاریخ کے پروفیسر مولانا ڈاکٹر سجاد عالم رضوی مصباحی نے ''دعوت دین اور ہمارے فرائض'' کے تحت کہا کہ تعمیر، اسلامی چہرہ ہے اور تخریب ابلیسی چہرہ اور شیطانی طریقہ ہے۔ تعمیر کا تعلق علم اور تعلیم سے ہے جب کہ تخریب کا تعلق گمرہی اور جہالت سے ہے۔ کانفرنس کے تیسرے خطیب مولانا ابو نصر مصباحی ویشالوی (بہار) نے ''اولاد کی تعلیم وتربیت سے تعمیر ملت تک'' کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ماں کی گود، بے شک دنیا کا پہلا مدرسہ ہے ہر انسان کے لیے۔ اگر اُس مدرسے میں صحیح تعلیم وتربیت ہورہی ہے تو سمجھ لیں کہ فرد کی تعمیر ہورہی ہے اور جب ہر فرد کی شخصی تعمیر ہونے لگے تو یقین کرلیں کہ ملت کی تعمیر ہونے لگی لیکن ہمارے سماج کی سچائی یہ ہے کہ گھریلو مدرسے میں ہمارے بچپن کی تعمیر نہیں ہورہی ہے تو پھر ملت کی تعمیر کا خواب،

محض ایک خواب نہیں تواور کیاہے؟

حافظ محمد شہزاد عالم رضوی، مولانا شاہد حسین مصباحی اور حافظ محمد ثاقب رضانے نعتوں کا گلدستہ پیش کیا۔ خلیفہ مجاہد ملت کے مبارک ہاتھوں سے مدرسہ مدینۃ العلوم انسٹی ٹیوٹ سے فارغ حافظ قرآن محمد ثاقب رضا کی دستار بندی ہوئی اور مولانا محمد ظفر الدین برکاتی نے آل انڈیا تبلیغ سیرت کے اسلامک بکس لٹریچر ایپ کی رونمائی کی پھر صلوٰۃ وسلام کے بعد خلیفہ حضور مجاہد ملت کی دعاؤں پر جلسہ ختم ہوا۔ اجلاس میں مولانا مشرف حسین رضوی، ڈاکٹر محمد نظام الدین مصباحی، حافظ شہاب الدین نعمانی استاد مدینۃ العلوم، حافظ توصیف رضا صاحب، مساجد کے امام صاحبان، محمد شاداب رضا، معززین شہراور بڑی تعداد میں عوام وخواص شریک تھے۔

از: منیجر شعبۂ نشریات آل انڈیا تبلیغِ سیرت، مغربی بنگال

دعوت اسلامی مبارک پور کے زیراہتمام ایک روزہ اجتماع پاک

دعوت اسلامی تقریبًا دو سوممالک میں تبلیغ قرآن و سنت کے ساتھ گرانقدر علمی خدمات انجام دے رہی ہے، دعوت اسلامی دنیاکی عظیم غیر سیاسی تحریک ہے، جوعوام اہل سنت کوگمراہیت سے محفوظ رکھنے کے ساتھ ہی ایمان وعقیدہ کی حفاظت کرتی ہے، مبلغین جدوجہد کرکے گاؤں گاؤں جاکر عوام اہل سنت کوکتاب و سنت کی دعوت دیتے ہیں اور سنت رسول ﷺ پر عمل پیراہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ مذکورہ خیالات کا اظہار حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے تبلیغ قرآن و سنت کی عالم گیر غیر سیاسی تحریک دعوت اسلامی مبارک پور کے زیراہتمام علی نگر چوراہا میں منعقدہ سنتوں بھرا ایک روزہ عظیم الشان اجتماع پاک سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ مولانا نے فضائل معراج واختیارات مصطفی ﷺ پر مفصل ومدلل روشنی ڈالتے ہوئے مزید کہاکہ اگر دنیاوآخرت دونوں سنوارناچاہتے ہوتونبی کی سنتوں پر عمل پیراہوجاؤ، پیارے آقا ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلو، مغربی تہذیب و تمدن کے رنگ وروغن کوبھول کر اسلامی شعار کواپنالو، خداکا خوف دل میں بسالو، شریعت مصطفوی کے پیروکار بن جاؤ تمھاری دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت میں بھی کامیاب و کامراں ہوجاؤگے۔ بحیثیت مہمان خصوصی سید عارف علی باپوناسک مہاراشٹر رکن مجلس شوریٰ نے اصلاح معاشرہ کے عنوان پر نہایت ہی عمدہ اور معلوماتی بیان فرمایا۔ واضح رہے کہ دعوت اسلامی کا یہ اجتماع پاک تین نشستوں میں ہواپہلی نشست کاآغاز بعد نماز عصر تلاوت قرآن پاک سے ہوا، بعدہ بارگاہ رسالت میں منظوم خراج عقیدت پیش کیاگیا۔ پھر علمائے کرام کا خطاب ہوا۔ اسی طرح دوسری نشست میں مبلغین دعوت اسلامی ودیگر شعرائے عظام نے نعتوں کے نذرانے پیش کیے پھر علما کے بیانات ہوئے۔ تیسری اور آخری نشست بعد نماز عشا شروع ہوئی جس میں بارگاہ رسالت مآب میں ہدیۂ نعت پیش کیاگیا، علماے کرام نے اپنے بیانات میں کہاکہ ہر شخص اپنی ذمہ داری قبول کرلے توصالح معاشرہ کی تشکیل خودبخود ہوجائے گی علمانے فکرآخرت پر کافی زور دیتے ہوئے دنیاوی زندگی کی حقیقت سے متعلق تفصیل سے خطاب کیا، اس کے بعد ذکرواذکار اور ملک و ملت کی سلامتی کے لئے دعائیں کی گئیں۔

دوران پروگرام سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ عوام کی جانب سے پوچھے گئے مختلف سوالات یکے بعد دیگرے مولانا محبوب عزیزی نے پڑھ کر سنائے جس کے تشفی بخش اور نہایت ہی آسان اور عمدہ جوابات مفتی محمد نظام الدین رضوی پرنسپل وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پورنے دیے۔ یہ سلسلہ تقریبا ایک گھنٹہ تک جاری رہا وقت کی قلت کی وجہ سے بہت سارے لوگوں کے سوالات کے جوابات دینا باقی رہ گئے جس کے بارے میں کہاگیاکہ اگروہ چاہیں تودارالافتاآکر جوابات سمجھ سکتے ہیں۔

پروگرام کی صدارت سید عارف علی باپو رکن مجلس شوریٰ ناسک اور نظامت مبلغ دعوت اسلامی مولانا محبوب عزیزی مبارک پورنے کی۔ واضح رہے کہ مرادآباد، بنارس، امبیڈکرنگر، جلال پور، بہادرگنج، ٹانڈہ، غازی پوری، گورکھپور، بلیا، دیوریا، مئو، گھوسی، ادری ودیگر قصبات و مواضعات کے علاوہ قرب وجوار اور قصبہ کے علمائے کرام اور دعوت اسلامی کے مبلغین کی کثرت سے اجتماع گاہ بھرا ہوا تھا۔ لنگر رضا میں بارہ سوسے زیادہ افراد کے کھانے کا معقول انتظام وانصرام کیاگیاتھا۔

اس موقع پر مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی، مولانا محمد شعیب مصباحی، مولانا محمود احمد مصباحی، ناظم اعلیٰ فیاض احمد پردھان، شاہدحسن مبارک پور، زمزم حضوری، حاجی قمر الحق، رکن اسمبلی شاہ عالم گڈو جمالی، عبداللہ علاءالدین، ڈاکٹر عثمان غنی، آفتاب احمد عطاری، خالدکمال، محمد فیصل، الحاج احسان احمد، تنویراحمد، ابوالوفا، حاجی ریاض احمد، محمد اشرف، حاجی محمد یٰسین، محمد حنیف، عبدالباری، حاجی محمد جابر، محمد سلیمان ممبر، حاجی شکیل سہارا، حاجی حبیب الرحمن، محمد عثمان، فیاض احمد، انصار احمد، مطیع اللہ، عمران احمد، مولانا عبدالغفار اعظمی، مولاناہاشم جمال، حاجی محمود اختر نعمانی۔

مرکزی ادارہ شرعیہ، پٹنہ، بہار میں عرس امام اعظم کا انعقاد

مرکزی ادارہ شرعیہ، پٹنہ، بہار میں صدر مفتی حسن نوری کی صدارت میں عرس امام اعظم کا انعقاد ہوا۔ جس میں دارالافتا کے خادمین اورزیر تربیت متعلمین شامل تھے۔ اور مرکزی ادارہ شرعیہ کے قاری نوازش کریم کی شمولیت بطور نگہبان ہر لمحہ رہی۔ یعنی اپنی زبان سے تلاوت کلام الٰہی کرکے

خود کو ان کی بارگاہ میں پیش کر رہا تھا۔ آج کی اس محفل حسن رضا نوری عرس اعظم مناکر اپنی دل کی زبان سے بتا رہے تھے کہ پیارے بچو لوگ اپنے اسلاف کو بھول رہے ہیں۔ ان کے نقش قدم کو ترک کرنے میں پیش پیش ہیں لیکن آپ ان کی یادوں میں مقید رہنا کیوں کہ جو قوم اپنے اسلاف کی یادوں میں نہیں رہی اور ان کے نقش قدم پر نہیں چلی تو اسے ہر صورت اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے۔ خود کو ان کے فقہی قواعد سے مزین کرلو اور ان کو یادوں میں تادم حیات گرفتار رہو تو انشاء اللہ دونوں جہاں کی کامیابی ضرور تمہارے قدم چومے گی۔ حضرت مفتی مرکزی ادارہ شرعیہ نے دعا فرمائی۔

از: افضال رضوی۔ afzalzv@gmail.com

کچھوچھہ شریف میں دوروزہ جشن عید میلاد النبی ﷺ

حضرت مولانا سید محمد انور میاں کو امام اعظم ایوارڈ

جامعہ صمدیہ کچھوچھہ شریف میں انجمن چشتیہ صمدیہ مصباحیہ کے زیر اہتمام سابقہ روایات کے مطابق ۱۹/ ۲۰/ اپریل ۲۰۱۷ء کو جشن عید میلاد النبی ﷺ کا دوروزہ پروگرام تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا۔ ۱۹/ اپریل کو برادران وطن کے لیے خصوصی پروگرام کا انعقاد ہوا، جس میں قرب وجوار کے غیر مسلموں نے کثیر تعداد میں شرکت کی **"اسلام کا پیغام انسانیت کے نام"** سے منعقد اس پروگرام کی سرپرستی صاحب سجادہ آستانہ عالیہ صمدیہ کچھوچھہ شریف حضرت مولانا سید محمد اختر میاں چشتی دام ظلہ نے فرمائی جب کے صدارت کے فرائض جامعہ صمدیہ کچھوچھہ شریف کے سربراہ اعلیٰ، حضرت مولانا سید محمد انور چشتی نے انجام دیے۔ نظامت حضرت مولانا غلام جیلانی مصباحی استاذ جامعہ صمدیہ نے فرمائی۔

اس موقع پر سربراہ جامعہ حضرت مولانا سید محمد انور میاں چشتی نے فرمایا کہ ہمارے اس پروگرام سے جہاں برادران وطن تک اسلام کا پیغام امن وآشتی بہتر انداز میں پہنچتا ہے وہیں قومی یک جہتی کے فروغ اور امن وامان کی بحالی کے راستے بھی ہموار ہوتے ہیں، اس لیے یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔

جامعہ صمدیہ کے شیخ الحدیث مفتی محمد انفاس الحسن چشتی نے اپنے خطاب میں کہا کہ سرکار دوعالم ﷺ کی سیرت طیبہ پوری انسانیت کے لیے نمونہ عمل اور درس ہدایت ہے، آپ کی سیرت طیبہ پر عمل کر کے پوری دنیا سے ظلم وناانصافی کا خاتمہ ممکن ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ آپ پوری انسانیت کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اسی لیے آپ نے انسانوں کے تمام طبقات کے ساتھ رحم وکرم اور لطف وعنایت کا برتاؤ کیا، دنیا میں چین وسکون کا ماحول صرف آپ کے ارشادات کو عملی جامہ پہنا کر ہی قائم کیا جاسکتا ہے۔

اس پروگرام کے خصوصی مہمان معروف ہندو اسکالر سوامی لکشمی شنکر اچاریہ نے اپنے خطاب میں کہا کہ اسلام ایک پاکیزہ مذہب ہے اس کی تعلیمات انسانیت کے تحفظ کے ضامن ہیں، اسلام کو سمجھنے کے لیے چند مسلمانوں کے طرز عمل کو دیکھنا درست نہیں بلکہ قرآن کریم اور پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ انہوں نے آیات جہاد کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آیات جہاد کے سیاق وسباق اور شان نزول سے صرف نظر کر کے ان کو سمجھنے کی کوشش کرنے والا دھوکہ کھاتا ہے اور بعض لوگ اسی طرح اسلام کے تعلق سے بدگمانیاں پھیلانے کی دانستہ کوشش کرتے ہیں۔

۲۰/ اپریل کو بعد نماز عشا عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں مقرر خصوصی کی حیثیت سے امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا شاکر نوری ممبئی اور خطیب اہل سنت حضرت مولانا راشد القادری خطیب وامام جامع مسجد آستانہ حضرت سید سالار مسعود غازی، بہرائچ شریف نے شرکت فرمائی۔ حضرت مولانا ارشد القادری نے اصلاح معاشرہ پر بڑی سنجیدہ اور اثر آفریں خطاب کیا، انہوں نے فرمایا کہ آج ہمارے سماج میں برائیوں کا دور دورہ ہے، ہمیں اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرتے ہوئے ان برائیوں کا خاتمہ کرنا چاہیے اور ہمیں ہر کام میں اللہ کی رضا وخوشنودی کا خیال رکھنا چاہیے۔

مہمان خصوصی حضرت مولانا شاکر نوری امیر سنی دعوت اسلامی نے سرکار دوعالم ﷺ کی سیرت پاک کی روشنی میں اصلاح معاشرہ پر بہت ہی جامع اور اثر انگیز خطاب فرمایا: انہوں نے کہا کہ آج ہم اپنے آپ کو مسلمان تو کہتے ہیں لیکن اسلام کی تعلیمات اور اسلامی اصول وقوانین سے ہماری زندگی خالی ہے، یہی وجہ ہے ہم زندگی کے ہر شعبے میں خستہ حالی کے شکار ہیں۔

اس موقع پر جامعہ صمدیہ کے سربراہ اعلیٰ گرامی قدر ومنزلت حضرت مولانا سید محمد انور میاں صاحب قبلہ کو ان کی دینی مذہبی اور علمی خدمات کے اعتراف میں جملہ اساتذہ جامعہ صمدیہ کی جانب سے **"امام اعظم ایوارڈ"** پیش گیا۔ آپ کی خدمت میں جبہ وعمامہ اور سپاس نامہ بھی پیش کیا گیا۔

انجمن چشتیہ صمدیہ مصباحیہ رجسٹرڈ کچھوچھہ شریف کی جانب سے مبلغ اسلام حضرت مولانا شاکر نوری امیر سنی دعوت اسلامی ممبئی کی خدمت میں ان کی ہمہ گیر، دینی، مذہبی اور دعوتی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے **"اکبر المشائخ ایوارڈ"** پیش کیا گیا، ان کی خدمت میں بھی انجمن کی جانب سے جبہ عمامہ اور سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ صاحب سجادہ آستانہ عالیہ صمدیہ کچھوچھہ شریف حضرت مولانا سید محمد اختر میاں صاحب قبلہ نے مبلغ گیارہ ہزار روپے اپنی جانب سے پیش فرمائے۔ حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی نے بیان ولادت شریف پڑھی صلاۃ وسلام اور دعا کے بعد کانفرنس کا اختتام ہوا۔

از: محمد ساجد رضا مصباحی، سابق استاذ جامعہ صمدیہ کچھوچھہ شریف